اِس شمارے میں

نور ہدایت	غیر مسلم ضرورت مند کا تعاون بھی موجبِ اجر وثواب ہے		۵
نظر وفکر	دینی تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت	محمد سلمان منصور پوری	۶
درسِ حدیث	موت اور اُس کے مناظر	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۱۱
افاداتِ قرآنیہ	افادات سورۂ مجادلہ	حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ	۱۹
مقالات ومضامین	راستہ کے حقوق	مولانا اسرار الحق قاسمی	۲۴
	ازواجِ مطہرات کے ساتھ حضور......	علامہ منقذ بن محمود السقار	۲۸
	منشیات کا بڑھتا ہوا رواج اور شرعی ہدایات	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی	۳۳
	پیغمبرانہ دعائیں؛ جو قبول ہوئیں!	مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری	۳۸
	سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	مولانا مفتی ابوجندل قاسمی	۴۷
	لباس اور پردہ سے متعلق اسلامی تعلیمات	مولانا مفتی محمد رضوان قاسمی	۵۰
	مساجد کی تعظیم ہمارا فرضِ منصبی	مولانا مفتی محمد وسیم قاسمی	۵۵
ذکرِ رفتگاں	حضرت مولانا عبد الرحیم بستویؒ	مولانا مفتی عمران اللہ قاسمی	۵۹
کتاب المسائل	طلاق کو کسی بات پر معلق کرنے کے مسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۶۴
عالمی خبریں			ٹائٹل
جامعہ کے شب وروز	مہتمم جامعہ کے اسفار، امتحانِ ششماہی، واردین وصادرین، وفیات		۶۷

نورِ ہدایت:

غیر مسلم ضرورت مند کا تعاون بھی موجبِ اجر وثواب ہے

ارشادِ ربانی: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ. (البقرة: ۲۷۱)

ترجمہ: ’’اور ان (کفار) کو ہدایت پر لانے کی ذمہ داری آپ کی نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت سے نوازتا ہے، اور جو کچھ تم صدقہ کرتے ہو وہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے ہے، اور جو بھی خرچ کرتے ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے، اور جو بھی تم خرچ کروگے اُس کا بھرپور بدلہ تمہیں دیا جائے گا، اور تمہارے ساتھ بالکل بھی ناانصافی نہ ہوگی‘‘۔

اِس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مالی تعاون اور نفلی صدقات وخیرات میں مسلمانوں ہی کو ترجیح دینا پسند کرتے تھے اور کفار ومشرکین پر خرچ کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ طریقہ کفار کے اسلام سے قریب کرنے کا سبب بنے گا، اور وہ مال ملنے کی اُمید میں بکثرت اِسلام میں داخل ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرماکر ترغیب دی کہ غیر مسلم فقراء اور ضرورت مندوں پر خرچ کو جاری رکھا جائے اور اگر وہ ہدایت پر نہ آئیں، تو اُن کے پیچھے زیادہ نہ پڑیں؛ اِس لئے کہ ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ اِس طرح کے صدقہ کا کیا فائدہ ہوگا؟ کیوں کہ صدقہ کرنے سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی، جو مؤمن کا مقصود ومطلوب ہے۔ دوسرے یہ کہ آخرت میں اِس صدقہ کا اَجر وثواب بھرپور طریقہ پر حاصل ہوگا، خواہ یہ صدقہ مسلمان پر ہو یا غیر مسلم پر اُس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ (مستفاد: تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۱۴، بیان القرآن ۱/۱۶۳)

اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اِسلام میں اِنسانی بنیادوں پر کسی غیر مسلم ضرورت مند کی مدد کرنے پر بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا کسی ضرورت مند مسلمان کی مدد کرنے پر ملتا ہے، اور خلوص نیت سے کئے جانے والے صدقہ میں اپنا فائدہ ہی فائدہ ہے، کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ (البتہ زکوٰۃ اور واجب صدقات میں چوں کہ دیگر نصوص کی بنیاد پر صرف مسلمان پر خرچ کی قید ہے، اِس لئے وہ غیر مسلموں پر خرچ کرنا درست نہیں ہے)

□□□

نظر وفکر:

محمد سلمان منصورپوری
Mansoorpuri
@gmail.com

دینی تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت

دین کی بقاکے لئے آنے والی نسلوں کو دین سے وابستہ رکھنا اِنتہائی ضروری ہے، اگر بچوں اور بچیوں کو بقدرِ ضرورت دینی تعلیم نہیں دی جائے گی تو اُن کا مستقبل دینی اعتبار سے روشن نہیں ہوسکتا۔

اِسی بنا پر حضرات اَنبیاء علیہم السلام نے اپنی اولاد کی صلاح وفلاح کی بہت زیادہ فکر فرمائی۔

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے بارے میں یہ دعا فرمائی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ. (البقرۃ: ۱۲۸)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنا تابع دار بنا، اور ہماری نسلوں میں بھی اپنی تابع دار جماعت پیدا فرما۔

نیز یہ دعا بھی آپ سے منقول ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ، رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ. (ابراهیم: ۳۷)

اے میرے رب! مجھ کو اور میری اولاد کو نماز کا قائم رکھنے والا بنا دیجئے، اور اے میرے رب میری دعا قبول فرمالیجئے۔

اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پوتے سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولادوں کو دین پر جینے اور دین ہی پر مرنے کی تاکیدی وصیت فرمائی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ، يَابَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ. (البقرۃ: ۱۳۲)

اور ابراہیم ویعقوب یہی وصیت فرما گئے اپنے بیٹوں کو، کہ اے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے دین منتخب فرمالیا ہے تو تم اسلام ہی پر جان دینا۔

علاوہ اَزیں سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات سے پہلے سب سے زیادہ اَہمیت اِس بات کو دی کہ اپنی اَولاد کے عقیدہ کی طرف سے اطمینان حاصل کریں۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ، اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِىْ، قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ

کیا تم یعقوب کی وفات کے وقت موجود تھے، جب کہا اپنے بیٹوں کو کہ تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد؟ بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی، اور

اٰبَاءِ کَ اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمٰعِيلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (البقرة: ۱۳۲)

تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرماں بردار ہیں۔

اِس آیت میں ہم سب کے لئے نصیحت ہے کہ ہم اپنی اَولاد کی مادی خیر خواہی سے زیادہ دینی خیر خواہی کی فکر کریں، اور اِس میں ہرگز غفلت نہ برتیں۔

اور قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں (عبادالرحمٰن) کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک اَہم صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اِس طرح اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا. (الفرقان: ۷۴)

اے رب! ہم کو ہماری عورتوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمایئے، اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنادیجئے۔

ظاہر ہے کہ وہی اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتی ہے جو دین دار اور والدین کی فرماں بردار ہو، اور اہل تقویٰ کا پیشوا بنانے کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نسلوں میں تقویٰ والے لوگ موجود رہیں۔

تعلیم کی طرف بڑھتا ہوا رجحان اور ہماری ذمہ داری

موجودہ دور میں عصری تعلیم کی طرف رجحان پہلے سے بہت زیادہ ہوگیا ہے، والدین یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی اَولاد کے لئے بہتر سے بہتر تعلیم وترقی کے مواقع فراہم ہوں، چناں چہ یہ دیکھا جارہا ہے کہ آدمی اپنی ذاتی ضروریات کو پس پشت ڈال کر بچوں کی تعلیم پر خرچ کرنے کو ترجیح دیتا ہے، اور حکومت کی طرف سے بھی پرائمری کی سطح پر تعلیم میں سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں؛ تاہم ہندوستان میں آزادی کے بعد سرکاری طور پر جو نظامِ تعلیم بنایا گیا ہے، اگرچہ بظاہر اُس کی اَساس سیکولرازم پر ہے؛ لیکن نصاب میں ایسے مذہبی مضامین شامل ہیں کہ جن کا مسموم اثر معصوم بچوں کے ذہن ودماغ پر ضرور پڑتا ہے۔

علاوہ اَزیں جیسے جیسے مال ودولت کی کثرت ہوتی جارہی ہے، اُسی رفتار سے معیاری کانوینٹ نرسری اِسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا رجحان بھی بڑھتا جارہا ہے۔ یہ نرسری اسکول ہر شہر اور قصبہ میں قائم ہیں اور اُنہیں مکمل منصوبہ بندی کے تحت چلایا جارہا ہے، اُن میں زیادہ تر تعداد ایسے اِسکولوں کی ہے

جن کا تعلق خاص مذہبی گروہوں سے ہے۔ مثال کے طور پر عیسائی مشنریوں کے مختلف ناموں سے چلائے جانے والے بے شمار اسکول ہیں، جن کا پورا نظام نصرانی تہذیب میں رنگا ہوا ہوتا ہے، اور اِن اسکولوں کی معلمات پوری ہنرمندی کے ساتھ معصوم اور بے شعور بچے بچیوں کی ذہن سازی کرتی ہیں۔ اِسی طرح ہندؤوں کے سناتن دھرمی اسکولوں اور آریہ سماج تنظیموں کی طرف سے چلائے جانے والے اسکولوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے، جہاں کے نصاب میں رام اور رامائن اور آریہ سماجی مذہبی رہنماؤں کی سوانح حیات اِس انداز میں پڑھائی جاتی ہے کہ بچہ کے ذہن میں اُن شخصیات کی عظمت راسخ ہوجاتی ہے اور شرک وبت پرستی کی نفرت اُس کے دل سے محو ہوجاتی ہے۔ پھر ماحول، لباس اور طرز زندگی وہی سکھایا جاتا ہے جو اُن کا مذہبی خاصہ ہے اور خدا شناسی اور اِسلامی رہن سہن سے دوری ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایسے ماحول میں پڑھنے والا بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو اکثر اُس کے دل میں اِسلام کی وہ وقعت باقی نہیں رہتی جو شریعت میں مطلوب ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ محض اپنے فیشن اور خودساختہ معیار کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی اَولاد کو ایسے اسکولوں میں پڑھا کر فخر محسوس کرتا ہے، اُس کے لئے ان بچوں کا محض روانی سے انگریزی بولنا یا امتحانات میں کچھ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوجانا ہی سب سے بڑا مقصود ہوتا ہے، اور وہ بچوں کے دینی رجحانات کے بارے میں زیادہ فکرمند نہیں رہتا، آج کل اکثر سرمایہ داروں کے بچوں کا حال یہی ہے۔

بچوں کی دینی تربیت کے لئے سب سے اہم چیز گھر کا دینی ماحول ہوتا ہے، اگر گھر کا ماحول بہتر ہو اور والدین فکرمند ہوں، تو بچہ کسی بھی اسکول میں پڑھے، بہرحال کسی نہ کسی درجہ میں وہ دینی تہذیب سے وابستہ رہتا ہے؛ لیکن اگر گھر کا ماحول ہی دینی نہ ہو، صبح وشام لہو ولعب اور تفریحات کا دور دورہ ہو، لیپ ٹاپ اور موبائل پر نامناسب پروگرام ہمہ وقت جاری رہتے ہوں، تو اِس ماحول میں پروان چڑھنے والا بچہ کبھی بھی دینی فکر کا حامل نہیں ہوسکتا۔

اِس لئے ایسے حالات میں ہماری منصبی ذمہ داری ہے کہ ہم آنے والی نسلوں کے دین وایمان کے تحفظ کی فکر کریں، اور جس طرح بھی ممکن ہوسکے اُنہیں ضروری دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش بجالائیں۔

مسلمانوں کے اسکول

مسلمانوں نے گو کہ اپنے طور پر اَب بہت سے نرسری اور پبلک اسکول قائم کرلئے ہیں؛ لیکن بڑے اَفسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُن میں بڑی تعداد ایسے اسکولوں کی ہے جن کے قیام کے پیچھے صرف اور صرف کمائی کا مقصد کارفرما ہے، اُنہیں تعلیم یا تربیت سے کوئی سروکار نہیں، بس کمائی اچھی ہو، یہی اُن کا مطمح نظر ہے۔ اور جہاں کچھ معیاری اِسکول قائم ہیں اُن میں اکثریت ایسے اسکولوں کی ہے جن کی انتظامیہ عیسائیوں اور ہندوؤں سے ضرورت سے زیادہ مرعوبیت کا شکار رہتی ہے، وہ ہر وقت اِس اَدھیڑ بن میں رہتے ہیں کہ کیا ایسی شکل اختیار کی جائے جس سے ہمارے اِسکولوں میں پڑھنے والے مسلم بچہ کی اِسلامی نشانی مٹ سکے، چنانچہ اُن کے ڈریس میں انگریزی بال، ٹائی، نیکر، قمیص اور بچیوں کے لئے اسکرٹ وغیرہ لازمی ہوتے ہیں۔ صبح کو ہونے والی پریڈ میں ایسی چیزیں شامل کی جاتی ہیں جس سے کوئی مذہبی شناخت ظاہر نہ ہو۔ اور اگر آپ اُن اسکولوں کے اِحاطہ میں چلے جائیں تو کسی بھی چیز سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کسی مسلمان اِسکول کی عمارت ہے۔

دراصل یہ بھی اُنہی غیر مسلم نرسری اِسکولوں کے مضر اَثرات میں سے ایک ہے؛ اِس لئے کہ آج مسلمانوں کے کانوینٹ چلانے والے بھی وہی لوگ ہیں جو پہلے غیروں کے نرسری اِسکولوں میں پڑھ چکے ہیں، تو جو غیروں سے مرعوبیت کا مزاج اُن کا بچپن میں بن چکا ہے وہ اَب کیسے تبدیل ہوسکتا ہے؟

اِس لئے آج ضرورت ہے کہ مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے عصری تعلیمی اِداروں میں ذہن سازی کرکے درج ذیل اُمور کی پابندی کرائی جائے:

الف:- اسکول کا ڈریس ایسا طے کیا جائے جس سے صاف معلوم ہو کہ یہ کسی اسلامی اسکول کا طالب علم ہے۔ مثلاً بچوں کے لئے ٹوپی اور بچیوں کے لئے حجاب وغیرہ۔

ب:- اسکول کی دعائیہ پریڈ میں قرآن کریم، اسلامی دُعائیں اور نظمیں شامل کی جائیں۔

ج:- مسلم بچوں اور بچیوں کے لئے دینی تعلیم کا ایک درجہ لازمی رکھا جائے۔

د:- نصاب کے مضامین میں بھی اسلامی تہذیب کا خاص خیال رکھا جائے۔

ہ:- اگر سرکاری نصاب کی کتابیں اسکول میں داخل کرنا ضروری ہو اور ان میں غیر اسلامی تہذیب

کی باتیں مذکور ہوں تو استاد انھیں اس طرح پڑھائیں جس سے بچے کے دل میں اس غیر اسلامی تہذیب کی وقعت نہ پیدا ہو سکے۔

و:- اسکول کے اَوقات میں نماز کا با قاعدہ نظم کیا جائے، اور بچوں اور بچیوں کو نماز کا عادی بنانے کی فکر کی جائے۔

ز:- اسکولوں میں اللہ کے مقبول بندوں اور اکابر علماء کی آمد ورفت کا ماحول بنایا جائے؛ تاکہ بچوں کے دل میں اہل دین کی عظمت قائم ہو سکے۔

الحمدللہ جن علاقوں میں مذکورہ اُمور کو سامنے رکھ کر تعلیمی خدمات انجام دی جارہی ہیں، وہاں مثبت نتائج سامنے آرہے ہیں۔ بالخصوص حیدرآباد اور بنگلور اور اُس کے اَطراف میں یہ رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے، جو بہرحال خوش آئند ہے۔

مکاتبِ دینیہ

آج جس اَنداز میں اِلحاد ودہریت کا طوفان بپا ہے، اور حکومتوں کی نیت بھی صاف نہیں ہے، روز بروز ایسی تعلیمی پالیسیاں لائی جارہی ہیں جو اِسلامی اَقدار کے منافی ہیں، اِن حالات میں اُمتِ مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت جا بجا دینی مکاتب کا قیام ہے، جن میں خاص طور پر اِسکول جانے والے بچوں اور بچیوں کی ضروری دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جائے، اگر بچے روزانہ ایک گھنٹہ بھی مکتب والے ماحول میں گذار کر قرآنِ کریم، اِسلامی فرائض، دینی اَخلاق اور اِسلامی تہذیب کو سیکھنے پر محنت کریں گے، تو انشاء اللہ وہ تاعمر دین پر قائم رہ سکیں گے۔ بہت سے علاقوں میں اِس سمت میں بہت منظّم محنتیں ہورہی ہیں، وہ سب قابل قدر ہیں؛ لیکن اگر دیکھا جائے تو وہ ملت کی واقعی ضرورت سے بہت کم ہیں، ابھی بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو بنیادی دینی تعلیم سے محروم ہے؛ اِس لئے اِجتماعی اور اِنفرادی طور پر جس سے جو کچھ ہو سکے، نسلوں میں دین کی بقا کے لئے اپنا کردار پیش کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ملتِ اِسلامیہ کو ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں، اور نسلوں میں دین وایمان کی بقا کے فیصلے فرمائیں، آمین۔

درسِ حدیث:

موت اور اُس کے مناظر

حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لاَ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کَیْفَ لِلْأَحْیَاءِ؟ قَالَ: أَجْوَدُ وَأَجْوَدُ. (مشکوۃ: ۱۴۱)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے مرنے والوں کو ”لاَ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ کی تلقین کیا کرو، صحابہ کرام نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! اگر ہم زندہ لوگوں کو اس کی تلقین کریں تو کیسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہت اچھا ہے بہت اچھا ہے۔

تشریح:- انسانی زندگی کا سب سے اہم مرحلہ حیات فانی کے وہ آخری لمحات ہیں جن پر آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ہے، اگر اس کا خاتمہ بالخیر ہوا ہے تو نجات اخروی اس کو حاصل ہو جائے گی، اور اگر خدانخواستہ اس کا خاتمہ کفر و شرک پر ہوا ہے تو آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی میں تباہی اور بربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگے گا، جیسا کہ ایک لمبی حدیث کے آخر میں نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ. (بخاري ومسلم، مشکوۃ: ۲۰)

بے شک خاتمہ (موت) کے وقت کے اعمال ہی معتبر ہیں۔

گویا زندگی کے ہر قدم پر برے اقوال واعمال سے بچنا چاہئے کہ نہ جانے موت کا وقت کب آجائے اور کب اس دار فانی کو چھوڑ کر کے جانا پڑے، مذکورہ بالا روایت میں بھی نبی کریم علیہ السلام امت کو یہ تاکید فرما رہے ہیں کہ اس بات کی بھرپور کوشش کیا کرو کہ مرنے والے شخص کی زبان پر جاری ہونے والا آخری جملہ کلمہ طیبہ ہو اور وہ ”لا الہ الا اللہ“ پڑھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو؛ کیوں کہ جو شخص کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگا اللہ رب العزت اس کو جنت میں ٹھکانہ نصیب فرمائے گا، جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (أبوداؤد، مشكوة: ١٤١)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نبی کریم علیہ السلام کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جس کی زبان سے نکلنے والا آخری کلام ''لا الٰہ الا اللہ'' ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

موت کے اہم احوال

نبی کریم علیہ السلام نے مختلف روایات میں موت سے پہلے پیش آنے والے اور اس کے بعد کے چند اہم احوال ذکر فرمائے ہیں، جن کا سامنا ہر ایک انسان کو کرنا پڑے گا، ذیل میں ان کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) نبی کریم علیہ السلام اچھے اور برے انسان کی موت کے وقت کی منظر کشی کرتے ہوئے ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کسی نیک اور صالح انسان کی موت کا وقت آتا ہے تو (سفید و روشن چہرے والے) فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور مرنے والے کے سرہانے بیٹھ کر اس کی روح کو ایک لوری سنا کر بڑے پیار سے جسم سے خود بخود نکل آنے کی ترغیب دیتے ہیں اور کہتے ہیں: اے پاک روح! جو پاک جسم میں تھی، تو بڑی قابل تعریف ہے، نکل آ تجھ کو ابدی راحت وسکون، نہ ختم ہونے والے رزق اور ایسے رب سے ملاقات کی خوشخبری دی جاتی ہے جو تجھ سے راضی اور خوش ہے، فرشتے برابر یہ خوش کن گیت گاتے رہتے ہیں، لوری پہ لوری سناتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس نیک انسان کی روح (ایسے نکل آتی ہے جیسے مشکیزہ سے پانی کا قطرہ نکل پڑتا ہے) ارشاد نبویؐ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَيِّتُ تَحْضُرُهُ الْمَلَائِكَةُ، فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قَالُوْا: أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ أُخْرُجِي حَمِيْدَةً وَأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ، فَلَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں، اگر وہ نیک آدمی ہوتا ہے، تو کہتے ہیں کہ اے پاک روح! جو پاک جسم میں تھی نکل آ، تو تعریف کے لائق ہے، نکل آ، تجھ کو (ابدی) راحت وسکون نہ ختم ہونے والا رزق اور اس رب سے ملاقات کی خوشخبری ہو جو ناراض نہیں ہے، فرشتے

تَـزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ. (رواه مسلم مشكوة: ١٤١) برابراس جملے کودہراتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ روح نکل آتی ہے۔

غور کیجئے!

نیک انسان کی روح کس قدر آسانی اورسہولت سے نکلتی ہے،اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب مرنے والے کوجودنیا کی زندگی سے ناامیداور مایوس ہوگیا ہو،رب ذوالجلال کی خوشنودی کا مژدہ جاں فزان سنایا جائے گا اورآخرت کی نہ ختم ہونے والی انمول نعمتوں کی طرف بلایا جائے گا،تو یقیناً اس کی روح بخوشی جسم سے جدا ہوکراپنے خالق ومالک کے حضور حاضر ہوجائے گی، یہ ایسا وقت ہوتا ہے جب رشتے ناطے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں،اپنے بھی بے گانے ہوجاتے ہیں اوراللہ کے سوا کوئی سہارا نہیں دکھائی دیتا ہے،ایسے وقت میں مرنے والے کوخداذوالجلال کی رضامندی کا پروانہ مل جائے تو یقیناً وہ خوشی سے بے حال ہوجائے گا اوراس سے جو کہا جائے گا وہ جلداز جلد اسے کرنے کوتیار ہوجائے گا،مگراس کے لئے شرط یہ ہے کہ آدمی نیک اورصالح ہو،نیکیوں کوانجام دیتا ہو،ہرحرام وناجائز کام سے بچتا ہو،اپنی آنکھوں،کانوں،زبان، ہاتھوں، پیروں اورشرمگاہ کو گناہوں سے بچاتا ہو؛ کیوں کہ صالح اور نیک آدمی بننے کے لئے جس طرح فرائض کواداکرنا ضروری ہے،اسی طرح اچھا اور نیک انسان بننے کے لئے حرام وناجائز امور سے بچنا بھی لازم اورضروری ہے۔(اللہ رب العزت امت کو ہرطرح کے گناہوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے)

(۲) نبی کریم علیہ السلام ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ نیک انسان کی روح کوفرشتے جب آسمان کی طرف لے کر چلتے ہیں تو اس کے اعزاز میں آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں،اور جب اس کی روح آسمان کے دروازے تک پہنچتی ہے تو وہاں کھڑے ہوئے فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی روح ہے؟ لے جانے والے جواب دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں کی روح ہے(دنیا میں لئے جانے والے اس کے ناموں میں سے بہترین نام ذکر کرتے ہیں)وہ فرشتے بھی اس کوخوش آمدید کہتے ہیں اوراس کی پاک بازی کا اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیدہ ودل فرش راہ ہیں اس پاک روح کے لئے جو پاک جسم میں تھی داخل ہوجا،تعریف کے لائق ہے تو،تجھ کوخوش خبری ہو ابدی سکون، نہ ختم ہونے والے رزق اورایسے رب کی جو ناراض نہیں ہے،اسی طرح اس پاک اور مبارک روح کا اعزاز واستقبال ہر آسمان پر ہوتا رہے گا اور فرشتے اس کو مرحبا کہتے

رہیں گے، یہاں تک کہ اس آسمان تک اس کو پہنچا دیا جائے گا جہاں رب ذوالجلال ہے۔ (اللہ رب العزت فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے بندہ کا نامہ اعمال علیین میں یعنی اس جگہ رکھ دو جہاں دیندار اور نیک بندوں کے نامۂ اعمال رکھے جاتے ہیں اور اس کو زمین کی جانب واپس لے جاؤ؛ کیوں کہ میں نے انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اس میں لوٹاؤں گا اور (قیامت کے دن) دوبارہ اسی میں سے نکالوں گا) ارشادِ نبوی ؐ ہے:

ثُمَّ يَعْرُجُ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَيُفْتَحُ لَهَا، فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: فُلَانٌ، فَيُقَالُ: مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبَةِ كَانَتْ فِيْ الْجَسَدِ الطَّيِّبِ، اُدْخُلِيْ حَمِيْدَةً وَاَبْشِرِيْ بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ، فَلَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلَى السَّمَاءِ الَّتِيْ فِيْهَا اللهُ. (رواہ مسلم، مشکوۃ: ۱۴۱)

پھر اس روح کو آسمان کی جانب چڑھایا جائے گا اور اس کے لئے (آسمان کے دروازے) کھلوائے جائیں گے، پوچھا جائے گا کہ کون ہے؟ جواب میں کہا جائے گا کہ فلاں ہے، داخل ہوجا تو قابل تعریف ہے، تجھ کو راحت وسکون اور نہ ختم ہونے والے رزق کے علاوہ ایسے رب سے ملاقات کی خوشخبری ملے جو تجھ سے ناراض نہیں ہے، یہی جملے برابر (ہر آسمان پر) دہرائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ روح اس آسمان (ساتویں آسمان) تک پہنچا دی جاتی ہے جہاں اللہ رب العزت والجلال رونق افروز ہے۔

غور کریں!

روح کو یہ اعزاز ملے گا تو کیوں ملے گا؟ صرف نیکی اور دینداری کی وجہ سے فرشتے اس کا اعزاز کریں گے، اس عالم میں جہاں کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا، آسمان کے دروازے کھول دئے جائیں گے اور اعلیٰ علیین میں اس کے نامہ اعمال کو رکھ دیا جائے گا، قابل تعریف ہیں وہ لوگ جو عبادات کو انجام دینے کے علاوہ خلق خدا کو تکلیف پہنچانے سے بھی زندگی بھر بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، ایسے شخص کی جب روح پرواز کرتی ہے، تو صرف انسان ہی اس کا ذکر خیر نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ فرشتے بھی اس کو قابل تعریف اور لائق ستائش مانتے ہوئے ہر آسمان پر خوش آمدید کہتے ہیں، تعریف کرتے ہیں اور اُخروی نجات کی خوشخبری دیتے ہیں۔

(۳) نبی کریم علیہ السلام ایک دوسری روایت میں نیک اور صالح آدمی کے قبر میں پہنچنے کے بعد کا منظر پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ نیک آدمی کی قبر میں دو فرشتے آئیں گے اور اس کو بٹھا کر تین

سوالات کریں گے: پہلا سوال یہ کریں گے کہ یہ بتاؤ کہ تمہارا خدا کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میرا خدا اللہ رب العزت والجلال ہے۔ دوسرا سوال یہ کریں گے کہ یہ بتاؤ کہ تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا کہ میرا دین، دینِ اسلام ہے۔ تیسرا سوال کرتے ہوئے فرشتے پوچھیں گے کہ یہ بتاؤ کہ وہ کون صاحب ہیں جن کو اللہ کی طرف سے تمہارے درمیان بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ وہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ پوچھیں گے کہ تم کو ان باتوں کا پتہ کیسے چلا؟ قبر والا نیک انسان جواب دے گا کہ میں نے قرآن کریم پڑھا، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی (یہ ساری باتیں قرآن کریم سے سیکھیں اور سمجھیں ہیں) اتنے میں آسمان سے پکارنے والا پکارے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس نے صحیح جوابات دئے ہیں؛ اس لئے اس کے نیچے جنت کا بستر بچھادو، اس کو جنت کا لباس پہنادو، اور اس کی قبر میں جنت کی جانب دروازہ کھول دو۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ قَالَ: رَبِّيَ اللّٰهُ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الآية. قَالَ: فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ إِنْ صَدَقَ عَبْدِي، فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ.

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ (نیک آدمی کی قبر میں) دو فرشتے آئیں گے، دونوں اس کو بٹھائیں گے اور پوچھیں گے کہ تمارا رب کون ہے؟ وہ کہے گا کہ میرا رب اللہ ہے، وہ پوچھیں گے تمہارا دین کیا ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میرا دین اسلام ہے، وہ پوچھیں گے کہ تمہارا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جن کو تمہارے درمیان بھیجا گیا تھا، وہ کہے گا کہ وہ تو ہمارے آقا اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ کہیں گے کہ تم کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئی؟ وہ کہے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان کا ''اللہ رب العزت ایمان والوں کو قول ثابت (صحیح جوابات) پر جما دیتا ہے، آپ نے فرمایا کہ آسمان سے ندیٰ آئے گی کہ میرے بندے نے سچ

کہا، اس کے نیچے جنت کا بستر بچھا دو، اس کو جنت کا لباس پہنا دو، اور اس کیلئے جنت کا دروازہ کھول دو۔ (رواہ أبوداؤد، مشکوۃ: ۲۵)

لمحۂ فکریہ

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ قبر کے تنگ وتاریک گڑھے میں کامیابی اسی شخص کو حاصل ہوگی جو مذکورہ سوالات کے صحیح اور درست جوابات دے دے گا۔ اور صحیح جوابات دینے پر وہی شخص قادر ہوگا جس نے زندگی میں قرآن کریم کو پڑھنے سمجھنے اور پھر اس پر عمل درآمد کرنے کی مبارک کوشش برابر کی ہو، جس کے پاس نہ تو قرآن کریم کی تلاوت کا وقت ہو اور نہ اس کو سمجھنے کا جذبہ اور شوق ہو، وہ کیسے صحیح جوابات دے کر عذاب قبر سے بچ پائے گا، جہاں نہ کوئی مددگار ہوگا، نہ غم خوار نہ کوئی محافظ ہوگا اور نہ سفارشی، وہاں اگر انسان کے کام آئے گا تو قرآن کریم ہی آئے گا۔

دوسری بات یہ بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ درج بالا سوالات کے صحیح جوابات دینے پر وہی شخص قادر ہوسکے گا کہ جس کی زندگی میں دینداری پائی جاتی ہو، چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں اللہ کا نام وہی لے سکے گا جس نے پوری زندگی اللہ کی فرماں برداری میں گذاری ہو، جو خدا کے حکم کی ہمیشہ مخالفت کرتا رہتا ہو، وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میرا رب اللہ رب العزت والجلال ہے، اسی طرح دوسرے سوال کے جواب میں اسلام کا نام وہی شخص لے سکے گا جس کی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گذری ہو، اس کے برخلاف جو شخص دوسروں کی نقالی کرکے دنیا سے گیا ہو، یورپین اسٹائل پر عمل کرتے ہوئے اسلامی کلچر کو اس نے پیروں تلے روندا ہو وہ کیسے یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا دین، دین اسلام ہے، ایسے ہی تیسرے سوال کے جواب میں نبی کریم علیہ السلام کو پہچان کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار وہی شخص کرسکتا ہے کہ جس نے زندگی کے ہر ہر قدم پر آپ کی سنتوں کی پیروی کی ہو اور ہرگز جان بوجھ کر ان کی خلاف ورزی نہ کی ہو، اس کے برخلاف جو شخص غیروں کے طور طریقہ اپناتا رہے اور اسی حال میں اس کی موت آجائے تو وہ آپؐ کے بارے میں کیسے کہے گا کہ یہ تو میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

برے انسان کی موت کے مناظر

نبی کریم علیہ السلام برے انسان کی موت کو ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کسی

گنہگار اور برے آدمی کی موت کا وقت آتا ہے تو (کالے اور بری ہیئت کے) فرشتے اس کے پاس پہنچتے ہیں اور ملک الموت اس سے کہتے ہیں کہ اے خبیث روح جو خبیث جسم میں ہے! نکل ذلیل وخوار ہوکر نکل، تیرے لئے کھولتے ہوئے پانی، زخموں سے نکلنے والے پیپ اور طرح طرح کے دردناک عذاب تیار ہیں، ایک روایت میں ہے کہ یہ سن کر روح نکلنے کے بجائے جسم کے مختلف حصوں میں چھپنے کی کوشش کرتی ہے، تاکہ کسی طرح آخرت کی پکڑ سے بچ جائے، مگر موت سے کسی کو مفر نہیں ہے، چنانچہ پھر اس روح کو کھینچ کر زبردستی اس طرح نکالا جاتا ہے جیسے گیلے کپڑے سے کانٹا نکالا جائے، اس خبیث روح کو لے کر جب فرشتے آسمان کی طرف جاتے ہیں اور وہاں کا دروازہ کھلوانے کی کوشش کرتے ہیں تو گیٹ پر موجود فرشتے پوچھتے ہیں کہ کون ہے؟ لے جانے والے جواب دیتے ہیں کہ فلاں ہے، آسمان والے فرشتے کہتے ہیں کہ خبیث جسم میں رہنے والی خبیث روح کے لئے خوش آمدید نہیں ہے، تو ذلیل وخوار ہوکر واپس ہوجا، تیرے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلیں گے، چنانچہ اس کو واپس قبر میں بھیج دیا جائے گا۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ قَالَ: اُخْرُجِيْ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ كَانَتْ فِيْ الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اُخْرُجِيْ ذَمِيْمَةً وَاَبْشِرِيْ بِحَمِيْمٍ وَغَسَّاقٍ، وَاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖ اَزْوَاجٌ فَمَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَيُفْتَحُ لَهَا فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا؟ فَيُقَالُ: فُلَانٌ، فَيُقَالُ: لَا مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الْخَبِيْثَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اِرْجِعِيْ ذَمِيْمَةً فَإِنَّهَا لَا تُفْتَحُ لَكِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ. (رواه ابن ماجة، مشكوة: ١٤١)

اگر وہ (مرنے والا) برا آدمی ہوتا ہے تو (ملک الموت) کہتے ہیں کہ خبیث جسم میں رہنے والی اے خبیث روح نکل ذلیل وخوار ہوکر نکل، تجھ کو کھولتے ہوئے پانی، پیپ اور طرح طرح کے عذاب کی (بری) خبر دی جاتی ہے، وہ یہی جملے بار بار دہراتے ہیں، یہاں تک کہ وہ روح نکل آتی ہے، اس کو لے کر آسمان کی جانب چڑھا جاتا ہے اور دروازے کھلوانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہاں موجود فرشتے ہیں پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ کہا جاتا ہے فلاں ہے، وہ جواب دیتے ہیں کہ خبیث جسم میں رہنے والی خبیث روح کا نہ استقبال ہے نہ اس کو خوش آمدید ہے، تو ذلیل وخوار ہوکر لوٹ جا، تیرے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔

قابلِ غور بات

موت کے وقت جب کہ انسان ہر طرف سے ناامید اور مایوس ہوجاتا ہے، تمام تعلقات اور رشتہ داریاں دم توڑ دیتی ہیں، اس وقت انسان کو انجام بد کی خبر دی جائے، تو اس کا کیا حال ہوگا؟ بھیانک عذاب کو دیکھ کر اس پر کیا گذرے گی؟ اس کو کتنا دکھ ہوگا؟ اور اپنی زندگی پر وہ کتنا افسوس کرے گا؟ مگر اس وقت کی ندامت اور افسوس سے انسان کو ذرہ برابر کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، کامیاب شخص وہ ہے جو زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کرے اور موت کو یاد رکھتے ہوئے نیکیوں کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرتا رہے۔

کافر و گنہگار کی قبر میں کیا کیا ہوگا؟

نبی کریم علیہ السلام ایک روایت میں کافر و مشرک کی قبر کی منظر کشی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کافر کو (اس میں کافرانہ و مشرکانہ اعمال کرنے والے بھی شامل ہوسکتے ہیں) قبر میں رکھا جائے گا (قبر سے مراد عالم برزخ ہے، خواہ مرنے والے کو دفن کیا جائے یا جلایا اور بہایا جائے، بہرحال وہ عالم برزخ میں پہنچے گا جہاں اس سے پوچھ گچھ ہوگی) تو اس کے پاس بھی دو فرشتے آئیں گے جو اس کو بٹھائیں گے اور پوچھیں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: ہائے میری بربادی! میں نہیں جانتا، وہ اسی طرح کا جواب بقیہ دو سوالوں کا بھی دے گا اور بڑی بے بسی کے ساتھ لاعلمی کا اظہار کرے گا، پھر آسمان سے ندا آئے گی کہ یہ جھوٹا ہے، اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے؛ اس لئے اس کے نیچے آگ کا بستر بچھا دو، اس کو آگ کا لباس پہنا دو، اور اس کی طرف جہنم کا دروازہ کھول دو، جہاں سے آگ کی لپٹیں اور گرمی اس تک پہنچیں گی، اس کے بعد اس کی قبر کو اتنا تنگ کردیا جائے گا کہ داہنے طرف کی پسلیاں بائیں طرف کی پسلیوں میں گھس جائیں گی۔

الغرض! موت تو آنی ہی ہے، اور یقیناً نہ موت کے وقت کوئی کسی کے کام آسکتا ہے اور نہ موت کے بعد کوئی کسی کی مدد کرسکتا ہے، ان اوقات میں تو انسان کے کام صرف اس کے اعمال ہی آسکتے ہیں، جو موت کے لئے زندگی بھر تیاری کرتا رہے گا اور موت کے بعد کے مراحل میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتا رہے گا اللہ رب العزت کی رحمت موت کے وقت بھی اس کی طرف متوجہ رہے گی اور موت کے بعد بھی رب ذوالجلال اس کو اپنے رحم وکرم سے نوازتے ہوئے صحیح جوابات کی توفیق سے مالا مال فرمائے گا اور پھر ہر طرح کی راحتوں سے اس کو نوازتا چلا جائے گا۔ اللہ رب العزت ہم سب کو موت کی فکر نصیب فرمائے۔ وصلی اللّٰہ علی النبي الکریم۔

اِفاداتِ قرآنیہ:

اِفادات: سورۂ مجادلہ

افادات: عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نوراللہ مرقدہٗ

ضبط وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

نیکی کے دروازے بہت سے ہیں

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ:

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات پر افسوس تھا کہ وہ اس حکم پر عمل نہ کر سکے، اس نیکی کو حاصل نہ کرسکے اور حکم منسوخ ہوگیا، اس حکم پر عمل کرنے کی برکت اُن کو حاصل نہ ہوسکی، جو لوگ نیکیوں کے حاصل کرنے والے ہوتے ہیں، اعمالِ صالحہ کے حریص ہوتے ہیں، اُن کا حال یہی ہوتا ہے، اگر کسی نیک کام کا اور نیکی کمانے کا سلسلہ بند ہوجائے تو اُن کو افسوس ہوتا ہے، یہی کمالِ ایمان کی علامت ہے، ایسے لوگوں کو تسلی دینی پڑتی ہے کہ پریشان کیوں ہوتے ہو؟ صرف وہی ایک نیکی تھوڑی ہے نیکی کے بہت سے دروازے ہیں، ایک نیکی نہیں حاصل کرسکے تو دوسری نیکی حاصل کرو، مسجد کی تعمیر ہورہی تھی، اس میں خوب حصہ لے رہے تھے، اب وہ سلسلہ ختم ہوگیا تو اب دوسرے راستہ سے نیکی حاصل کرو؛ کیوں کہ نیکی حاصل کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں، اس طرح نہیں تو دوسری طرح حاصل کرو، صحابہ کرام کو اسی بات کا افسوس تھا کہ وہ اس حکم پر عمل نہ کرسکے اور وہ اس نیکی سے محروم رہ گئے، ان کو تسلی دلائی گئی، اور فرمایا گیا: ﴿اَقَامُوْا الصَّلاۃَ﴾ کہ اگر یہ نہیں تو دوسری نیکیاں اِقامتِ صلوٰۃ کے راستہ سے حاصل کرو۔

بزرگوں کے پاس جانے کا ایک اَدب

اس سے ایک بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بزرگوں اور مشائخ یا کسی بڑے عالم کے پاس جائے تو کچھ اچھے کام کرکے جائے، مثلاً کچھ صدقہ خیرات کرکے جائے، کچھ نہ ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر جائے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہی معمول تھا، یہاں تک منقول ہے کہ نماز پڑھنے سے پہلے بھی وہ صدقہ دیا کرتے تھے؛ کیوں کہ یہ بھی بڑے دربار کی حاضری کا موقع ہے۔

قرآنِ پاک کی تاثیر

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ: (اگر اِس قرآن کو پہاڑ پر نازل کردیا جاتا تو پہاڑ ریزے ریزے ہوجاتا)

باعتبار تاثیر کے قرآنِ پاک ایسا ہے کہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا، باقی انسان اس سے متأثر ہوتا ہے یا نہیں؟ متأثر ہوتا ہے تو کس قدر؟ یہ اس کی صلاحیت اور استعداد پر موقوف ہے، جس قدر صلاحیت واستعداد ہوگی اسی اعتبار سے وہ متأثر ہوگا، صلاحیت تو ہر ایک کے اندر ہوتی ہے؛ لیکن بدعملی کی وجہ سے وہ صلاحیت ضائع ہوجاتی ہے؛ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ پہاڑ جیسی سخت چیز تو ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور انسان کا دل اتنا سخت، پہاڑ سے بھی زیادہ سخت کہ وہ اس سے متأثر نہ ہو؟

سوتے وقت ذکر کرنے کی اَہمیت اور اَسماء الٰہیہ کی برکت

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ:

اسماء الٰہیہ کی بڑی برکت اور فضیلت وارد ہوئی ہے، سوتے وقت اگر کوئی اِن اسماء الٰہیہ کو پڑھ لیا کرے اور اس رات اس کا انتقال ہوجائے، تو اس کو شہادت کا ثواب ملے گا؛ لیکن عموماً لوگ اس سے ناواقف ہیں، سوتے وقت پڑھنے کی اور ذکر کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، باتیں کرتے کرتے سوتے ہیں، اور اُٹھ کر پھر باتیں کرنے لگتے ہیں، ذکر کرتے کرتے نہیں سوتے، لکھا ہے کہ اگر ذکر کرتے کرتے سوئیں اور سوکر جب آنکھ کھلے پھر ذکر کرلیں تو رات بھر ذکر کرنے کا ثواب ملے گا؛ لیکن ہم لوگوں کی عادت سی ہوگئی ہے شور وشغب اور باتیں کرکے سونے کی، مجھے تو بڑا تعجب ہوتا ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے کہ دینی درسگاہوں میں رہ کر اگر اس کو یہ باتیں نہ حاصل ہوں اور ان کاموں کے کرنے کی توفیق نہ ہو تو اس نے کیا حاصل کیا؟ اصل بات یہ ہے کہ نیکی حاصل کرنے کی طرف رغبت نہیں، ذوق نہیں، ورنہ آدمی کو جس چیز کا ذوق ہوتا ہے اس کو حاصل کرتا ہے، محنت کرتا ہے، مٹھائی کھانے کو اس میں لذت آتی ہے، ذوق ہوتا ہے اس لئے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر نماز، ذکر اور عبادت میں جی نہیں لگتا تو کیوں نہیں لگتا؟ یہ قلب کی خرابی کی علامت ہے، اس کا علاج کرنا چاہئے، جیسے کسی آدمی کو کھانا پینا نہ اچھا لگے تو یہ اس کے

مزاج کی خرابی ہے، اس کا علاج ضروری ہے، اَفسوس کہ کھیل کود، سیر وتفریح میں تو جی لگے اور جو کام اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے ہیں اُن میں جی نہ لگے، علاج ہر چیز کا موجود ہے، معاصی چھوڑنے، تقویٰ حاصل کرنے کے سب طریقے اور علاج موجود ہیں؛ لیکن کوئی عمل نہ کرے مگر کوشش تو کرے۔

اِصلاح کا آسان نسخہ اور مفید مراقبہ

ہر کام شروع کرنے سے پہلے یہ تصور کرو کہ یہ کام میں اس کے واسطے کر رہا ہوں، میرے اس کام کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، ہر کام کے کرنے سے پہلے یہ سوچ لے کہ اس کام سے اللہ راضی ہوگا یا ناراض؟ انشاء اللہ اس مراقبہ سے خلوص بھی پیدا ہوگا اور غلط کام سب چھوٹ جائیں گے، ہر کام کے وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار ہو، آخرت کا استحضار ہو تو گناہ ہو ہی نہیں سکتا؛ لیکن آج ہم سے یہی نہیں ہوتا، آج ہم سارے کام کریں گے؛ لیکن عادت کی بنا پر کریں گے، اللہ کے واسطے نہیں کرتے، کوئی بھی کام ہو عادت کی بنا پر نہ کریں؛ بلکہ کام کرنے سے پہلے اللہ کا تصور کریں، اور اس کا استحضار کریں کہ میرا اللہ میرے اس کام کو دیکھ رہا ہے، اس استحضار سے کام کرنے میں ہمارے تمام کاموں میں خلوص پیدا ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

سورۂ ممتحنہ

احسان کا بدلہ احسان انسانی شرافت کا تقاضا ہے

سورۂ ممتحنہ کی آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، ان کے گھر والے مکہ مکرمہ میں تھے، جیسے اور بہت سے مہاجر صحابہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ آ گئے تھے؛ لیکن ان کے گھر والے مکہ مکرمہ میں تھے، کفار کی طرف سے مسلمانوں کو ستایا جاتا تھا، جو صحابہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے؛ لیکن ان کے گھر کے لوگ اور دوسرے رشتہ دار مکہ میں تھے، تو رشتہ داروں اور خاندان کی وجہ سے کفار کے شر سے وہ محفوظ تھے؛ لیکن حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایسے صحابی ہیں جو یمن کے باشندے تھے، مکہ مکرمہ میں آ کر مقیم ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لے آئے، اُن کے خاندان کا مکہ مکرمہ میں کوئی نہ تھا، اس لئے انہوں

نے مکہ کے کفار کے ساتھ احسان کرنا چاہا؛ تاکہ ان کے گھر والوں کو وہ ستائیں نہیں، اس غرض سے انہوں نے کفارِ مکہ کے نام ایک پرچہ لکھا جس میں اس راز کو فاش کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ مکرمہ میں چڑھائی کی تیاری کررہے ہیں، یہ پکے مؤمن تھے، ان کو یہ تو یقین تھا کہ اس طرح اطلاع کرنے سے دین کو تو کوئی نقصان پہنچ نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ تو بہرحال اپنے نبی کو غالب کرکے رہے گا، ہمارے پرچہ لکھنے اوران کو اطلاع ہوجانے سے کچھ نقصان نہ ہوگا، اس لئے انہوں نے کفارِ مکہ کو پرچہ لکھ کر یہ راز فاش کردیا، اور یہ اطلاع کردی کہ محمد مکہ پر حملہ کی تیاری کررہے ہیں، ان کو توقع تھی کہ اس احسان کے بدلہ میں کفارِ مکہ ہمارے گھر والوں کو ستائیں گے نہیں۔

اس زمانہ کے کفار بھی ایسے تھے کہ احسان کرنے والے کے ساتھ احسان کرتے تھے، احسان کرنے والے کا احسان مانتے تھے، اس کا لحاظ کرتے تھے، اتنی شرافت ان میں بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع دے دی کہ فلاں عورت فلاں مقام پر ہے، اُس کے پاس پرچہ ہے اس میں یہ مضمون لکھا ہوا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ایک صحابی کو تعاقب کے لئے بھیجا، اس عورت کے پاس پرچہ ملا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بلائے گئے، انہوں نے صاف صاف عرض کردیا کہ یا رسول اللہ! کسی بری نیت سے میں نے ایسا نہیں کیا تھا، میرا وہاں کوئی رشتہ دار اور خاندان نہیں ہے، اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لئے ایسا کیا تھا؛ تاکہ کفارِ مکہ اس احسان کی وجہ سے میرے گھر والوں کو پریشان نہ کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول فرمایا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے اس کی گردن ماردوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں، غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بدریوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے، اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

دوستی و دشمنی کا معیار صرف اللہ کی ذات ہونا چاہئے

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ: (اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ’’عَدُوِّیْ‘‘ کومقدم کیا ہے کہ میرے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، یہ بات ابھی ذہن میں آئی، کہیں لکھا نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے ’’عَدُوِّیْ‘‘ کو اس لئے مقدم کیا کہ اگر کسی کو دوست یا دشمن بناؤ تو میری وجہ سے بناؤ، یعنی دوستی و دشمنی کا معیار صرف اللہ کی ذات ہونی چاہئے، جو اللہ کا دوست وہ میرا دوست، جو اللہ کا دشمن وہ میرا دشمن، دوستی و دشمنی کا معیار اپنی ذات کو نہ بناؤ کہ اس نے ہمارے اوپر ظلم کیا، زمین دبالی، مقدمہ دائر کیا، پریشان کیا، اس وجہ سے اس سے دشمنی کرلی، جس نے خاطر داری کی احسان کیا اس سے دوستی کرلی، دوستی یا دشمنی ذاتی اغراض کی وجہ سے نہ ہو؛ بلکہ صرف اللہ کے لئے ہو، احسان کرنے والے سے یا کسی سے بھی دوستی ہو وہ بھی اللہ ہی کی وجہ سے ہو۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ ہم کو یہ سبق سکھانا چاہتے ہیں کہ آدمی کو محض اپنے جذبات کی رعایت میں کوئی کام نہیں کرنا چاہئے، آدمی کی فطرت اور طبیعت تو ایسی ہے کہ اگر اس پر کوئی ظلم کرے تو اس سے دشمنی ہوجاتی ہے، احسان کرے تو دوستی ہوجاتی ہے، جذبات کی رعایت میں وہ ایسا کرتا ہے؛ لیکن شریعت نے یہ سبق سکھایا ہے کہ تمہاری دوستی یا دشمنی محض جذبات کی رعایت میں نہ ہونی چاہئے؛ بلکہ شریعت کے تابع ہوکر اللہ کے واسطے ہونی چاہئے، اگر کسی سے دشمنی ہو تو اس وجہ سے کہ وہ اللہ کا دشمن ہے؛ لہٰذا میرا دشمن ہے، کسی سے دوستی ہو تو اس وجہ سے کہ وہ اللہ کا دوست ہے؛ لہٰذا میرا بھی دوست ہے، محبت وعداوت اور دوستی و دشمنی صرف اللہ کے واسطہ ہو، حدیث شریف میں ایسے شخص کی بڑی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے واسطے، بغض اور نفرت کی تو اللہ کے واسطے، جس کے اندر یہ خوبی پائی جائے اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔ (مسلم شریف)

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو کسی سے محبت کرے، کسی سے ملاقات کے لئے جائے اور صرف اللہ واسطے جائے، کوئی اس میں اس کی ذاتی غرض شامل نہ ہو، اللہ تعالیٰ ایسے محبت کرنے والوں کو قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے جگہ دے گا، جس دن کہ عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا، اللہ پاک ہم سب کو بھی اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

راستہ کے حقوق

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

حضرت مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی ایم پی وصدر دینی تعلیمی وملی فاؤنڈیشن ذاکرنگرنئی دہلی

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے، جس نے اپنے ماننے والوں کی زندگی کے ہر شعبے میں مکمل رہنمائی کی ہے۔ کھانے پینے سے لے کر اٹھنے بیٹھنے تک میں اور سونے سے لے کر جاگنے تک میں اسلام اپنے متبعین کو واضح اور روشن ہدایات دیتا ہے۔ اسلام چوں کہ رسموں اور رواجوں کا مذہب نہیں ہے، یہ انسان کو روحانیت، اخلاقیات اور انسانی اقدار کا درس دیتا ہے۔ اس لیے اسلام یہ بھی بتاتا ہے کہ اگر ہم راہ چل رہے ہیں، تو کس طرح چلنا چاہیے، راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہے تو اسے ہٹا دینا چاہیے تاکہ بعد میں آنے اور گزرنے والے کو تکلیف نہ پہنچے، اگر کوئی بے یارومددگار انسان ہے تو اس کی مدد کرتے چلیں، اگر کوئی آواز دے رہا ہے تو اس کی طرف توجہ دیں، ہوسکتا ہے، اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو، اگر ہم اس کی مدد کرسکتے ہیں تو ضرور کریں ورنہ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے معذرت کرلیں۔ اسی طرح بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر راہ چلتے ہوئے کچھ احباب مل گئے تو وہیں مجلس لگ جاتی ہے اور لوگ باتوں میں مصروف ہوجاتے ہیں، ایسا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی تھا، صحابہؓ بھی بعض دفعہ راستے میں اکٹھا ہوجاتے اور باہم گفتگو کرتے تھے، اُس وقت یہ ان کی مجبوری بھی تھی کیوں کہ بیشتر صحابہ ایسے تھے جن کے پاس رہنے کے لیے ٹھیک ٹھاک مکان بھی میسر نہیں تھا، ایسے میں ان کی آپس کی ملاقات یا تو مسجد میں ہوتی تھی یا راستے کی مجلسوں میں ہوتی تھی اور اسی وقت ایک دوسرے کی خبرخیریت دریافت کیا کرتے تھے، اس سلسلے میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سرِراہ بیٹھنے سے گریز کرو'' تو صحابہ نے عرض کیا ''اللہ کے رسول! ہمیں اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے، یہ راستے ہی ہماری محفلوں کا کام کرتے ہیں، جہاں بیٹھ کر ہم آپس میں گفتگو کیا کرتے ہیں''، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھیں بیٹھنے پر اصرار ہی ہے، تو پھر راستے کا حق ادا کیا کرو''، تو صحابہؓ نے

دریافت کیا: ''راستے کا حق کیا ہوسکتا ہے؟''تو آپؐ نے فرمایا: ''نگاہیں نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کو ہٹادینا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا''۔(صحیح البخاری، حدیث:۲۴۶۵)

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ اسلام نے راستوں پر بیٹھنے اور چلنے کے ایسے اُصول وضع کیے ہیں کہ انھیں اپنانے سے راستے بھی محفوظ رہیں گے اور لوگ بھی، ان اصولوں میں اجتماعی شعور اور ہر انسان کے فائدے کا خیال رکھا گیا ہے، ان ہی اصولوں کے زیرِ اثر اسلام نے راستے کے کچھ آداب مقرر کیے ہیں، جو انسان کو انسانیت کے اعلیٰ معیار پر بھی پہنچاتے ہیں اور جن سے اسلام کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا حکم یہ دیا کہ راستے پر بیٹھنے (چلنے) والا اپنی نگاہ نیچی رکھے اور اس سلسلے میں دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''آپ کہہ دیجیے مومنوں سے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکی کا باعث ہے اور اللہ کو ان کے اعمال وافعال کی خبر ہے اور آپ مومنہ عورتوں سے بھی کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں محفوظ رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں...''۔(النور: آیت ۳۰-۳۱)

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ راستے سے ہر تکلیف دینے والی چیز یا صورت کو دور کیا جائے، کیوں کہ راستہ مفادِ عامہ سے تعلق رکھنے والی جگہ ہے، لہذا ہر قسم کی تکلیف دہ اور ضرر رساں چیز سے اس کو محفوظ رکھنا اور اس سلسلے میں کوشش کرنا ضروری ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ایمان کی ستر یا ساٹھ سے کچھ زائد شاخیں (شعبے) ہیں: سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور کمتر درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے''۔(متفق علیہ)

یہاں ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا کمتر درجے کا ایمان ہے؛ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ ایمان ہی کا حصہ ہے یعنی اگر کسی شخص کے اندر یہ وصف پایا جاتا ہے، تو حدیثِ پاک کی روشنی میں اس کے مومن ہونے کی ضمانت دی جاسکتی ہے، جب کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہوتے ہوئے راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو دیکھتے ہوئے صرف اپنے آپ کو بچاتے ہوئے گزر جاتا ہے، اس کا ایمان و اسلام اس تکلیف دہ چیز کو دور کرنے پر اسے نہیں ابھارتا تو پھر یہ لمحۂ فکریہ ہے۔ عام طور پر ہمارے معاشرے میں مادیت کا اتنا زیادہ غلبہ ہے کہ عام انسانوں کے مفاد سے جڑی ہوئی کوئی بات ہم قبول ہی نہیں کر پاتے

اور اگر قبول کرلیں تو پھر اس پر عمل کرنے میں ہمیں ہزار تکلف ہوتا ہے، حالاں کہ عام زندگی میں بھی دیکھا گیا ہے کہ جو چیز بظاہر بہت معمولی ہوتی ہے بسا اوقات انجام کے اعتبار سے وہ بہت ہی غیر معمولی بن جاتی ہے، اگر راستے پر اینٹ یا پتھر کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے، تو وہ ہے تو معمولی ہی لیکن اگر چلتے ہوئے کسی کو ٹھوکر لگ جائے تو اس انسان کو چوٹ لگ سکتی ہے، اس کا پاؤں معذور ہوسکتا ہے بلکہ بسا اوقات اس قسم کے حادثے موت کا بھی باعث بن جاتے ہیں۔

راستے کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ چلنے میں اعتدال اور تواضع سے کام لیا جائے، کیوں کہ ایک مسلمان کی صفت یہ ہے کہ وہ نہ بہت تیز چلتا ہے اور نہ بالکل گھسٹ کر، بلکہ وہ متوازن چال چلتا ہے، اسی طرح اس کی چال میں کبر وعجب بھی نہیں ہونا چاہیے، اللہ کا فرمان ہے: ''اور چلنے میں درمیانی چال اختیار کرو''۔ (سورۂ لقمان آیت: ۱۹)

دوسری جگہ فرمایا گیا: ''زمین میں اترا کر مت چلو؛ کیوں کہ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی پہاڑ جتنے لمبے ہو سکتے ہو''۔ (بنی اسرائیل آیت: ۳۷)

اس اسلامی ہدایت کی روشنی میں اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں خاص کر نوجوانوں کا رویہ قابلِ غور ہے، جب وہ راستے پر چلتے ہیں تو عجیب طرح سے چلتے ہیں، بعض لوگ اپنے ہاتھ پاؤں کو اتنا زیادہ ہلاتے ہوئے چلتے ہیں کہ اگر ارد گرد کوئی آدمی ہو تو اسے تکلیف پہنچنا لازمی ہے، عجب وغرور والا انداز بھی دیکھنے میں آتا ہے، اس لیے ہمیں قرآنِ کریم کی مذکورہ ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اعتدال وتواضع کی روش اختیار کرنی چاہیے۔

اسی طرح راستے کو صاف ستھرا رکھنے اور وہاں شور وغل نہ مچانے سے جہاں کسی بھی معاشرے کے مہذب ہونے کا پتہ چلتا ہے، وہیں نظامِ آمد ورفت بھی اپنے معمول کے مطابق بغیر کسی رکاوٹ کے جاری وساری رہتا ہے۔ راستے سے تکلیف دور کرنے کا حصہ یہ بھی ہے کہ راہ چلتے ہوئے یا راستے پر رکنے کے حوالے سے ٹریفک نظام کی تمام تر ہدایات وقوانین کو مدِ نظر رکھا جائے، بلاشبہ ایسا کرنے سے ڈرائیور سے لے کر راستے پر چلنے والے ہر شخص کو آسانی اور سہولت ہوگی، پھر یہ کہ اگر کوئی مسلمان راستے سے تکلیف دینے والی کسی بھی چیز کو دور کرتا یا ایسے کسی بھی کام سے بچتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اُسے اجر

وثواب سے بھی نوازا جائے گا،خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:''تمہارا راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بھی صدقہ ہے''۔(متفق علیہ)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''میں نے جنت میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک ایسے درخت پر جھول رہا ہے، جسے اس نے بیچ راستے سے کاٹ کر ہٹا دیا تھا،وہ درخت چلنے والے لوگوں کو تکلیف دے رہا تھا''۔(صحیح مسلم حدیث نمبر:۱۹۱۴)

مذکورہ حدیث میں راستے کا ایک ادب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر آپ کچھ لوگوں کے ساتھ راستے پر باتوں میں مصروف ہیں اور اسی دوران کوئی شخص گزرتے ہوئے سلام کرے،تو اس کا جواب دینا چاہیے، یہ تو خالص ہمارے اپنے فائدے کی چیز ہے اور اس سے ہماری تہذیب وشائستگی کا بھی پتہ چلتا ہے۔اسی طرح ایک ہدایت یہ کی گئی کہ اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت بھی کریں،یعنی اگر راستے میں ہمیں کوئی ایسا انسان نظر آئے جو کسی کو تکلیف پہنچا رہا ہے، برا بھلا کہہ رہا ہے تو اسے روکیں،اسی طرح اس کے اندر تبلیغِ دین بھی شامل ہے۔

مجموعی طور پر ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ جملہ آداب وضوابط کی کسی بھی طرح کی خلاف ورزی اسلام کے احکام کی خلاف ورزی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مؤاخذے کا سبب بھی ہے۔ ہمارے ذہن میں رہنا چاہیے کہ راستے سے عام انسانوں کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں،لہذا اسے صاف ستھرا رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے پر خاص توجہ دینی چاہیے۔راستے کے آداب کو ملحوظ رکھنے سے فرد اور معاشرہ دونوں پریشانیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔راستے پر چلنے اور رکنے کے سلسلے میں ٹریفک کے اُصولوں کی رعایت کرنے میں فرد اور معاشرہ دونوں کی سلامتی ہے۔راستے کو صاف ستھرا رکھنا اور وہاں شوروغل نہ مچانا اعلیٰ تہذیب وثقافت کی علامت ہے۔اسی طرح ہمیں اپنی دینی ذمے داریوں کا بھی احساس ہونا چاہئے اور راستے پر رکتے ہوئے حسبِ موقع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام دینا چاہئے۔

اَزواجِ مطہرات کے ساتھ

حضور اکرم ﷺ کا سلوک وبرتاؤ

از قلم:- علامہ منقذ بن محمود السقار

ترجمہ: مولانا مفتی محمد یحیٰ قاسمی استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

جب چند کنبے اور خاندان باہم ملتے ہیں، تو ایک سماج اور معاشرہ وجود میں آتا ہے، پھر یہی خاندان وکنبہ اپنی طاعات وعبادات سے اللہ کی زمین کو شاداب وآباد رکھنے والی نسل کا فطری گھوارہ ہوا کرتے ہیں، اسی خاندان وکنبے کے دو اہم اور کلیدی رکن وممبر وہ ''میاں بیوی'' ہوتے ہیں جو باہمی حقوق اور آپسی ذمہ داری کی ٹھوس اور مضبوط بنیاد پر کسی خاندان وفیملی کی تعمیر وتشکیل کا کام کیا کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس تحریر کا موضوع کسی عام آدمی کی اِزدواجی وعائلی زندگی نہیں؛ بلکہ سرورِ کائنات جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی ہے، آیئے! آج نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر کی دیوار پر چڑھ کر آپ کی مخصوص ازدواجی زندگی کے بعض خاص پہلوؤں پر نظر ڈالیں اور ان سے ازدواجی زندگی گذارنے کے گُر، ہنر اور اُصول وآداب سیکھیں؛ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا موضوع ہر شادی شدہ شخص کی ضرورت ہے۔

یہ تحریر خاص کر اُن حضرات کی خدمت میں قیمتی سوغات ہے جو زوجیت کے رشتے اور بندھن کے تقدس کا احترام کرنا نہیں جانتے، چناں چہ اپنی بیویوں کو دِق پہنچایا کرتے ہیں، اُن کے روبرو چیختے چلاتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، اُن کی خفگی وناراضگی کا سبب بنا کرتے ہیں، وہ بھی جانتے ہیں کیوں؟!! محض اِس وجہ سے کہ آج کھانا پکنے میں چند منٹ تاخیر ہوگئی، جناب کی کوئی رائے بیوی کو پسند نہ آئی، اس کے علاوہ اور بھی دوسری نہایت معمولی وجوہات ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے پورا گھر یوں سر پر اُٹھا لیا جاتا ہے کہ گویا اَب اسے نیچے رکھا ہی نہیں جاسکتا۔

گھر کے باہر خوش مزاج اور گھر کے اندر ترش مزاج

بعض مرتبہ بعض لوگوں کی ایک نہایت عجیب وغریب دورنگی کی یہ صورتِ حال دیکھنے میں آتی ہے کہ گھر کے باہر ہیں تو خندہ رو، خوش مزاج، ہشاش بشاش، کشادہ جبیں اور مسکراتا چہرہ؛ لیکن یہی جناب جب گھر کی چوکھٹ پر قدم رکھتے ہیں، تو مسکراہٹ غائب، چہرہ گویا ﴿عبوسًا قمطریرًا﴾ شکن آلود، بگڑا، چی بجبیں، پیشانی پر شکن اور تیوری پر بال، اندر ہی اندر اس کے پیچھے یہ زعم وخیال ہے کہ اس طرح گھر کے اندر رعب ودبدبہ، شوکت ووقار باقی وبحال رہے گا، حالاں کہ اس بے چارے غریب کو یہ کیا پتہ کہ یہ نام نہاد مردوں کا وہم وتخیل ہے، ورنہ حقیقت کی دنیا میں رعب وجاہت کا اس مصنوعی، بناوٹی اور ڈھونگی ترش روئی اور بدخوئی سے کیا رشتہ اور کیا جوڑ؟

نبی اکرم ﷺ کے گھر کے اندر کا طرزِ زندگی

اگر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونِ خانہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ زندگی بتانے اور گذارنے کا طرز وطریقہ جاننا چاہتے ہیں، تو سب سے محبوب بیوی، اَماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کریں: ”كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَلَا مَعَ نِسَائِهٖ؟“ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اندرونِ خانہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ رہا کرتے تھے تو آپ کا کیا رنگ ڈھنگ اور طرزِ عمل رہا کرتا تھا؟) تو آپ کو جواب ملے گا:

كَانَ كَرَجُلٍ مِنْكُمْ لِنِسَائِكُمْ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ أَكْرَمَ النَّاسِ خُلُقًا وَأَبْيَنَ النَّاسِ، ضَاحِكًا مُتَبَسِّمًا. (طبقات ابن سعد ٤٣٨٦)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر بالکل اِس طرح ہوتے تھے، جس طرح ایک عام آدمی اپنے گھر میں اپنی بیوی کے لئے ہوا کرتا ہے، ہاں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق لاجواب تھا، گفتگو بے مثال تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے مسکراتے رہا کرتے تھے۔

اور اندرونِ خانہ بھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ زندگی کیوں نہ ہو؟ جب کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد ہے:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ، وَكَانَ يَقُوْلُ: أَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِيْ.

(سنن الترمذي)

سب سے زیادہ کمال درجہ کا مؤمن وہ شخص ہے جو کمال درجہ کے اخلاق کا حامل ہو، اور تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کا اپنے اہل وعیال سے سلوک بہتر ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: ''میرا اپنے اہل وعیال کے ساتھ سلوک وبرتاؤ تم سے زیادہ بہتر ہے''۔

آپ نے غور کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کسی کے اچھے اور بہتر ہونے کا معیار نماز وروزے کی کثرت وزیادتی نہیں؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں کسی کے اچھے اور بہتر ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ بیوی کے ساتھ خصوصاً اور آل واولاد، گھر وخاندان کے ساتھ عموماً اس کا سلوک وبرتاؤ اور رہن سہن بہتر ہو۔

گھریلو کام کاج کے انجام دینے میں حضور اکرم ﷺ کو تکلف یا عار دامن گیر نہ ہونا

کچھ لوگوں کو گھر کے کام کرنے میں تکلف ہی نہیں؛ بلکہ عار محسوس ہوا کرتی ہے، اور وہ اس چیز کو اپنی شان ووقار کے خلاف سمجھتے اور گردانتے ہیں، حتیٰ کہ اپنے نجی اور اپنی ذاتی ضرورت کے کام بھی خود اپنے ہاتھوں نہیں کرنا چاہتے۔ چناں چہ کبھی پانی کی صدا لگتی ہے اور کبھی کھانے کی اور کبھی کسی اور چیز کی، ایسا لگتا ہے کہ جناب کسی فائیو اِسٹار ہوٹل میں براجمان ہوں اور گھر کے لوگ اُن کے خدام خاص ہوں، بھلا ایسے لوگ گھریلو کام کاج میں اپنی بیویوں کا کیا ہاتھ بٹائیں گے؟ حالاں کہ اگر آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کریں گے ''مَا كَانَ يَصْنَعُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهِ؟'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں رہتے کیا کیا کرتے تھے؟) تو آپ کو جواب ملے گا:

كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ أَهْلِهِ – تَعْنِيْ خِدْمَةَ أَهْلِهِ – فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ہوتے تو گھر کے کام کاج کرتے رہتے، جب نماز کا وقت ہوجاتا تو نماز کے لئے چلے جاتے، اور ایک دوسری روایت میں ہے

كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِي ثَوْبَهُ، وَيَحْلِبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ. (صحيح البخاري)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عام اِنسان کی طرح گھر میں رہتے، کبھی کپڑوں میں جوئیں تلاش کرتے، کبھی بکری دوہتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کارِ خود بدستِ خود (اپنا کام اپنے ہاتھ) کے اُصول پر عمل پیرا رہتے۔

نبی کریم ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زمانۂ جاہلیت کی دس عورتوں کا قصہ سننا

بعض لوگوں کے بارے میں یہ عجیب وغریب بات سننے میں آتی ہے کہ وہ گھر کے باہر یا گھر کے اندر دوست واحباب، اعزاء اور مہمانوں سے اِدھر اُدھر کی دل لگی ودل بستگی کی باتیں یا قصے کہانیاں سننے اور سنانے میں دلچسپیاں رکھتے ہیں؛ لیکن ایسی چیزیں بیوی کو سننے سنانے کا مزاج ومذاق نہیں رکھتے، اُس بے چاری کو تو بس حکم اور فرمان ہی سنائے جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایسے لوگ بیویوں کے پاس بیٹھنے اور اُس سے دل لگی ودل بستگی کی اِدھر اُدھر کی باتیں اور قصے کہانیاں سننے سنانے کو اپنی کہتری شان سمجھتے ہیں۔

لیکن ذرا سوچیے! کہ دعوت وتبلیغ کا کتنا عظیم بار جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر تھا؛ لیکن بیوی سے دل لگی اور دل بستگی کی باتیں اور اُس سے تبادلۂ خیال جو اُس کا حق ہے، اِن عظیم ذمے داریوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حق کی ادائیگی سے نہیں روکا۔ چناں چہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے زمانۂ جاہلیت کی دس عورتوں کا اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ پیش آمدہ قصہ وماجرا بالتفصل سنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراپا کان بن کر اس تفصیلی قصے کو دلچسپی سے سنا۔ حدیث کی کتابوں میں اس قصے کو ''حدیث اُم زرع'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپ نے نہ تو کسی اُکتاہٹ کا اظہار کیا، نہ بیزاری کا اور نہ ہی اپنے عظیم منصب نبوت کے خلاف سمجھا۔

تہجد کا وقت اور حضرت عائشہؓ سے باتیں

بعض حضرات اپنی بیوی سے دل لگی اور دل بستگی کی باتیں تو کرتے ہیں؛ لیکن مخصوص حال اور وقت میں، اگر وہ تھکے ہارے کام سے آئے ہوں تو باتیں نہیں کرسکتے، یا رات کا بیشتر حصہ گذر چکا ہو تو وہ اپنی

بیوی سے بات نہیں کر سکتے؛ لیکن ازواجِ مطہرات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا کوئی خاص وقت متعین اور طے نہ تھا؛ بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ، فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ نَحْوٌ مِنْ ثَلَاثِيْنَ أَوْ أَرْبَعِيْنَ آيَةً قَامَ فَقَرَأَهَا وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ، يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَإِذَا قَضٰى صَلَاتَهٗ نَظَرَ، فَإِنْ كُنْتُ يَقْظٰى تَحَدَّثَ مَعِيْ، وَإِنْ كُنْتُ نَائِمًا اِضْطَجَعَ. (شرح النووي على مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر تہجد شروع فرماتے اور بیٹھ کر ہی قرأت کرتے، جب تیس چالیس آیات باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو کر قرأت کرتے، پھر رکوع وسجدہ کرتے، پھر رکعت ثانیہ اسی طرح پوری فرماتے، پھر نماز سے فارغ ہو کر مجھے دیکھتے، اگر میں بیدار ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے اور اگر مجھے سویا ہوا پاتے تو خود بھی (خاموشی سے) لیٹ جاتے۔

اگر یہ حدیث مذکورہ بالا کسی عام آدمی کو بتلائی جائے تو شاید وہ یہ کہے کہ رات کا آخری پہر کوئی بیوی سے بات کرنے کا ہے، یہ تو تہجد اور خدا سے آہ وزاری کا وقت ہے، تو کہا جائے گا کہ جناب کی بات اور جناب کا ارشاد بجا ہے؛ لیکن بیوی سے بات کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگانا

بیوی کے ساتھ دل لگی ودل بستگی ہی کی تو بات تھی کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی، چناں چہ سیدنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوڑ لگائی، اور میں آگے نکل گئی؛ کیوں کہ میں اس زمانے میں بدن کے ہلکے ہونے کی وجہ سے دوڑ تیز لگا سکتی تھی، لیکن پھر ایک بار اتفاق سے ہم میں دوڑ کا مقابلہ ہوا، اس بار بازی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیت لی؛ کیوں کہ اب بدن میرا قدرے بھاری ہو چکا تھا، اب وہ پہلے والی سبک رفتاری وتیز روی باقی نہ رہی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بازی جیتنے کے بعد ازراہِ دل لگی کہا: ”عَائِشَةُ! هٰذِهٖ بِتِلْكَ“۔ (اے عائشہ! اس جیت سے پرانی ہار کا معاملہ برابر ہو گیا) (ابوداؤد شریف)

(جاری)

❍❖❍

دوسری قسط

منشیات کا بڑھتا ہوا رواج

اور شرعی ہدایات

مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

شراب تمام فواحش اور خبائث کی جڑ اور اصل ہے

ارشاد نبوی ہے:

وَلا تَشْرَبِ الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (ابن ماجه: ٣٣٧١)

شراب مت پیو، اس لئے کہ وہ شر کی کنجی ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَائِثِ، إِنَّهُ كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ خَلا قَبْلَكُمْ يَعْبُدُ، فَعَلِقَتْهُ امْرَأَةٌ غَوِيَّةٌ، فَأَرْسَلَتْ اِلَيْهِ جَارِيَتَهَا فَقَالَتْ لَهُ: إِنَّا نَدْعُوكَ لِلشَّهَادَةِ، فَانْطَلَقَ مَعَ جَارِيَتِهَا، فَطَفِقَتْ كُلَّمَا دَخَلَ بَاباً أَغْلَقَتْهُ دُونَهُ، حَتَّى أَفْضَى إِلَى امْرَأَةٍ وَضِيئَةٍ عِنْدَهَا غُلامٌ وَبَاطِيَةُ خَمْرٍ، فَقَالَتْ: إِنِّي وَاللّٰهِ مَا دَعَوْتُكَ لِلشَّهَادَةِ وَلَكِنْ دَعَوْتُكَ لِتَقَعَ عَلَيَّ، أَوْ تَشْرَبَ مِنْ هَذِهِ الْخَمْرَةِ كَأْساً، أَوْ تَقْتُلَ هَذَا الْغُلامَ، قَالَ فَاسْقِينِي مِنْ

شراب سے بچو، وہ ہر گناہ کی جڑ ہے، پچھلی امتوں میں ایک عبادت گزار آدمی تھا جو عورتوں سے بالکل الگ رہتا تھا، ایک بدکار عورت اس کے پیچھے لگ گئی، اور اس نے اپنی باندی کو اس کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ ایک معاملہ میں گواہی کے لئے آپ کی ضرورت ہے، اور اس بہانے سے اس شریف آدمی کو گھر کے اندر لے گئی، دروازہ بند کر دیا، وہ عورت خود بے انتہا خوبصورت تھی، اس کمرے میں شراب کا مٹکا بھی تھا، اور ایک کم سن بچہ بھی تھا، عورت نے اس عابد سے کہا کہ اگر تم نجات اور رسوائی سے بچاؤ چاہتے ہو تو تین کاموں میں سے ایک کام کرنا ہوگا: (۱) یا تو شراب کا جام پیو (۲) یا اس بچے کو قتل کرو

هَذَا الْخَمْرِ كَأْساً، فَسَقَتْهُ كَأْساً، قَالَ: زِيْدُوْنِيْ، فَلَمْ يَرِمْ حَتَّى وَقَعَ عَلَيْهَا، وَ قَتَلَ النَّفْسَ، فَاجْتَنِبُوْا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا وَاللهِ لَايَجْتَمِعُ الإِيْمَانُ وَ إِدْمَانُ الْخَمْرِ إِلَّا لَيُوْشِكُ أَنْ يُخْرِجَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ. (سنن النسائی /٥٦٦٩)

(۳) یا زنا کرو، اس عابد نے زنا اور قتل کو زیادہ سنگین اور شراب کو نسبتہً کم خطرناک سمجھ کر شراب پینا منظور کرلیا، شراب کا ایک جام پی کر ایسا مست ہوا کہ پھر جام پر جام پیتا چلا گیا، اور نشہ اس قدر چھا گیا کہ پھر بچے کو بھی قتل کیا اور زنا بھی کیا، شراب کی عادت انسان کو اسی طرح رسوا کرتی ہے اور بسا اوقات ایمان سے بھی محروم کردیتی ہے۔

معلوم ہوا کہ شراب اور نشے کی لعنت بدکاری کا زینہ ہے، موجودہ دور میں حرام کاری اور بے راہ روی کا ایک مؤثر ذریعہ شراب نوشی اور نشہ آور چیزوں کے استعمال کا بڑھتا ہوا رجحان ہے، شراب نوشی ایک متعدی جرم ہے، یہ دوسرے بے شمار جرائم کا سبب بنتی ہے، یہ انسان کی عائلی زندگی کو ملیا میٹ کرڈالنے والی چیز بھی ہے، شراب کے رسیا افراد کی ازدواجی زندگی جہنم بن جاتی ہے، ایسے لوگ خود بھی جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہوتے ہیں، بسا اوقات ان کے اہل وعیال بھی اسی راہ پر چل پڑتے ہیں اسی لئے شریعت نے اسے ام الخبائث (تمام برائیوں کی جڑ اور اصل) قرار دیا ہے، ایک حدیث میں الفاظ ہیں:

اَلْخَمْرُ أُمُّ الْفَوَاحِشِ وَأَكْبَرُ الْكَبَائِرِ، وَمَنْ شَرِبَهَا وَقَعَ عَلَى أُمِّهِ وَخَالَتِهِ وَعَمَّتِهِ. (کنزالعمال ١٣٨/٥)

شراب تمام بے حیائیوں کی اصل اور بڑے گناہوں میں بدترین گناہ ہے، اور جس نے اسے پیا، ممکن ہے کہ وہ اپنی ماں، خالہ اور چچی کے ساتھ بری حرکت کر بیٹھے۔

حضرت قیس بن عاصم کے واقعات میں آتا ہے کہ ایک رات نشے میں بدمست ہوئے، اور اپنی بیٹی یا بہن کی طرف برے ارادے سے بڑھے، بہن نے یا بیٹی نے بھاگ کر کسی طرح آبرو بچائی، صبح ہوئی تو انہیں لعن طعن کیا گیا کہ تم بہن اور بیٹی کی آبرو پر حملہ آور ہوتے ہو، تمہیں شرم نہیں آتی، انہوں نے لاعلمی ظاہر کی کہ مجھے تو کچھ پتہ ہی نہیں، پھر اسی وقت انہوں نے شراب سے توبہ کی اور عہد کیا کہ جو چیز بہن بیٹی اور بیوی میں فرق سے محروم کردے اس کو ہمیشہ کے لئے حرام سمجھیں گے اور کبھی ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ (المستطرف ۲/۷۰)

امریکی محکمہ انصاف کے بیورو آف جسٹس کے ایک سروے کے مطابق صرف ۱۹۹۶ء میں امریکہ میں یومیہ زنا بالجبر کے ۲۷۱۳ واقعات پیش آئے، ان زانیوں کی اکثریت نشہ میں مدہوش پائی گئی، اعداد وشمار کے مطابق امریکی معاشرہ میں ہر ۱۲/ میں سے ایک شخص اپنی محرم خواتین سے زنا کے جرم میں ملوث ہوتا

ہے، ایسے تمام واقعات میں دونوں فریق یا ایک فریق کم از کم نشہ میں ہوتے ہیں۔ (اسلام پر چالیس اعتراضات کے عقلی ونقلی جواب: ڈاکٹر ذاکر نائک: ۱۰۰)

واقعہ یہی ہے کہ شراب کا نشہ انسان کو عقل سے اس طرح محروم کر دیتا ہے کہ اس میں خیر وشر، اچھے برے، حتی کی بیوی اور بہن تک میں امتیاز کی صلاحیت باقی نہیں رہ جاتی۔

امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: وفات نبوی کے بعد حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور کچھ صحابہ بیٹھے اور سب سے بدترین گناہ کا تذکرہ ہونے لگا، پھر ان حضرات نے مجھے حضرت عبداللہ بن عمرو کی خدمت میں بھیجا کہ جاؤ ان سے دریافت کر کے آؤ کہ بدترین گناہ کون سا ہے؟ انہوں نے فرمایا: سب سے بدترین گناہ شراب نوشی ہے، میں نے واپس آ کر بتایا تو یہ سب حضرات تعجب کرنے لگے، اور فوراً حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس پہونچے اور اپنے تعجب کے اظہار کیا، اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

إِنَّ مَلِكاً مِنْ مُلُوكِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَخَذَ رَجُلاً فَخَيَّرَ بَيْنَ أَنْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ اَوْيَقْتُلَ نَفْساً اَوْيَزْنِيَ اَوْ يَأْكُلَ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ اَوْ يَقْتُلُوْهُ فَاخْتَارَ الْخَمْرَ، وَاِنَّهُ لَمَّا شَرِبَهَا لَمْ يَمْتَنِعْ مِنْ شَيْئٍ اَرَادَ مِنْهُ. (الخمر رجس: نبیل محمود/۱۵)	بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ایک آدمی کو گرفتار کیا اور اسے اختیار دیا کہ یا تو شراب پیو، یا فلاں کو قتل کر دو، یا زنا کا ارتکاب کرو، یا خنزیر کا گوشت کھاؤ، ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا، اس آدمی نے شراب پینا پسند کیا، پھر جب شراب پی چکا تو نشے کی بدمستی نے اس سے بقیہ جرائم (قتل، زنا، خنزیر خوری) سب کرالئے۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ شراب سے مجھ کو اتنی نفرت ہے کہ اگر کسی تالاب میں شراب کا ایک قطرہ ڈال دیا جائے، پھر اس کے پانی سے گارا بنایا جائے، اور اس گارے سے مسجد بنائی جائے تو میں اس مسجد میں نماز نہیں پڑھوں گا، اگر کسی کنویں میں شراب کا ایک قطرہ ڈال دیا جائے، پھر اس کنویں پر مینار بنا دیا جائے تو میں اس پر چڑھ کر اذان نہیں دوں گا۔ (ایضاً)

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بنی ثقیف کے ایک شخص ''رویشد'' نامی کی دوکان اس بنیاد پر جلا دی گئی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا، ایک دوسرے موقع پر ایک پورا گاؤں حضرت عمرؓ کے حکم سے اس لئے جلا دیا گیا کہ وہاں خفیہ طریقے سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار جاری تھا۔ (تفہیم القرآن: ۱/۵۰۳)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جو لوگ منع کرنے کے باوجود شراب سے باز نہیں آتے، ان سے

جنگ کی جائے، وہ اسی قابل ہیں۔ (ابوداؤد: الاشربۃ: باب شرب الخمر)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

لَا تَعُوْدُوْا شُرَّابَ الْخَمْرِ اِذَا مَرِضُوْا، وَلَا تُسَلِّمُوْا عَلٰى شَرَبَةِ الْخَمْرِ.

شراب نوش بیمار ہوں تو ان کی عیادت مت کرو، اور شراب نوشوں کو سلام مت کرو۔

(الکبائر للذهبی/۸٤، فتح الباری/۱۱: ٤۲)

یعنی ان کا جرم اس قابل ہے کہ ان کا بائیکاٹ اور مقاطعہ کیا جائے۔ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ شَرِبَ شَرَاباً يَذْهَبُ بِعَقْلِهِ فَقَدْ اَتٰى بَاباً مِنْ اَبْوَابِ الْكَبَائِرِ. (شعب الایمان للبیهقی: باب فی المطاعم والمشارب ۱۳/۵)

جو عقل کو ختم کرنے والی شراب پیتا ہے وہ بدترین کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

منشیات کے فروغ میں کسی بھی نوع کی حصہ داری ملعون حرکت ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شراب کو حرام اور نجس قرار دینے پر اکتفا نہیں فرمایا ہے، بلکہ اس سے کسی بھی نوع کا تعلق رکھنے اور اس کے فروغ واشاعت میں کسی بھی طرح کی شرکت کو قابل لعنت جرم قرار دیا ہے، امام ابن ماجہ نے مستقل باب ذکر فرمایا ہے:

بَابٌ: لُعِنَتِ الْخَمْرُ عَلٰى عَشَرَةِ أَوْجُهٍ.

اس حقیقت کا بیان کہ دس طریقوں سے شراب کو لعنت قرار دیا گیا ہے۔

پھر یہ حدیث ذکر کی ہے:

لُعِنَتِ الْخَمْرُ عَلٰى عَشَرَةِ اَوْجُهٍ: بِعَيْنِهَا، وَعَاصِرِهَا، وَمُعْتَصِرِهَا، وَبَائِعِهَا، وَمُبْتَاعِهَا، وَ حَامِلِهَا، وَالْمَحْمُولَةِ إِلَيْهِ، وَآكِلِ ثَمَنِهَا، وَشَارِبِهَا، وَسَاقِيْهَا. (ابن ماجه/ ۳۳۸۰)

دس طریقوں سے شراب کو ملعون قرار دیا گیا ہے: (۱) بذات خود شراب (۲) شراب بنانے والا (۳) شراب بنوانے والا (۴) شراب فروخت کرنے والا (۵) شراب خریدنے والا (۶) شراب اٹھا کر لے جانے والا (۷) جس کی طرف اٹھا کر شراب لے جائی جائے (۸) شراب کی قیمت کھانے والا (۹) شراب پینے والا (۱۰) شراب پلانے والا۔

چنانچہ شراب نوشی، اس کی خرید وفروخت، شراب کے کارخانے میں کسی بھی طرح کا عمل سب حرام

قرار دے دیا گیا ہے، اور حرمت کے ساتھ شراب کی ناپاکی اور جسم یا لباس پر لگ جانے کی صورت میں ان کا دھونا ضروری ہونا بھی متفق علیہ مسئلہ ہے، بعض لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ ہم شراب یہودیوں کو تحفۃً کیوں نہ دے دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس اللہ نے شراب حرام کردی ہے اس نے اسے تحفۃً دینے سے بھی منع فرمادیا ہے''۔

بعض حضرات نے اجازت چاہی کہ ہم شراب کو سرکہ میں تبدیل کیوں نہ کرلیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمادیا، بعض لوگوں کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دواء کے طور پر استعمال کرنے سے بھی روک دیا۔ (تفہیم القرآن: ۱/۵۰۱)

شراب کی نفرت دلوں میں بٹھانے کے لئے ابتدائی دور میں ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دے دیا گیا جن میں شراب پی جاتی تھی، روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے مشکیزے اور مٹکے میدان بقیع میں جمع کرائے، اور صحابہ کی موجودگی میں ان کی طرف اشارہ فرما کر شراب کی حرمت کا اعلان بھی کیا اور شراب میں کسی بھی طرح کا تعاون کرنے والے کو ملعون بھی بتایا، پھر چھری منگوائی اور تمام مشکیں پھاڑ ڈالیں اور تمام مٹکے توڑ ڈالے۔ (تفسیر ابن کثیر: المائدہ)

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی مکمل حرمت اور اس کے تئیں مکمل نفرت کا اعلان و اظہار فرمادیا، حضرت عائشہؓ کے اقوال میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ خواتین کو کنگھی اور زیب و زینت اختیار کرنے کے عمل میں شراب و نشہ کی چیزیں کسی بھی انداز میں استعمال کرنے سے سختی سے منع فرماتی تھیں۔

(شعب الایمان: بیہقی: باب فی المطاعم والمشارب: ۵/ ۱۸) بلکہ روایات میں یہاں تک آیا ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلَا يَقْعُدَنَّ عَلَى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ. (مسند احمد: ۱/ ۱۲۵)	جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ ہرگز ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو۔

اس حدیث پاک پر غور فرمایا جائے کہ زبان نبوت سے کس طرح شراب کے تعلق سے نفرت اور کراہیت کی تخم ریزی اہل ایمان کے ذہنوں میں کی جارہی ہے، اور ایسے ہوٹلوں، مقامات، پروگراموں اور تقریبات میں حصہ لینے پر بندش لگائی جارہی ہے جہاں شراب علانیہ طور پر پلائی جاتی ہے اور اس کا دور چلتا ہے، اس ارشاد نبوی کی معنویت معاصر حالات میں ہر عام و خاص کے سامنے بہت نمایاں ہوکر آگئی ہے کہ فضائی سفر ہو یا زمینی، تقریبات ہوں یا پروگرام، شراب اور اس کے متعلقات کی لعنت ہر طرف نظر آتی ہے۔

گوشۂ سیرت پاک ﷺ:

پیغمبرانہ دعائیں؛ جو قبول ہوئیں!

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

حضرات صحابہ کرامؓ کے لیے ان کے درمیان سید الاولین والاخرین نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی بہت بڑی سعادت کی چیز تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں اپنا نائب اور ایسا قیمتی ہیرا ان کو دے رکھا تھا کہ جو مشکل بھی صحابہ کو پیش آتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، دعا کی درخواست کرتے، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام چند جملے دعائیہ ادا فرماتے تھے اور نقد اس کا اثر ظاہر ہو جاتا تھا، باری تعالیٰ نے ایسا مستجاب الدعوات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا تھا جو آپ نے مانگ لیا اللہ نے وہ عطا فرما دیا۔ اس سلسلہ کے متعدد واقعات سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں:

اللہ تمہارے دل کو ہدایت یافتہ بنائے

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کر لیا، حضرت علیؓ کو اس کا علم ہوا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ”یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَنَا حَدِیْثُ السِّنِّ وَلاَ عِلْمَ لِیْ بِالْقَضَاءِ“ کہ اے اللہ کے رسول! میں کم عمر ہوں، مجھے جھگڑے چکانا نہیں آتا، یعنی مجھ سے اچھی عمر والے جو آپ کے صحبت یافتہ ہیں، یہاں موجود ہیں، ان کو اگر آپ اس ذمہ دار عہدہ پر فائز کر کے یمن بھیج دیں تو زیادہ بہتر ہوگا، میں وہاں لوگوں کے درمیان کیسے فیصلے کروں گا مجھ سے بڑی عمر کے لوگوں کے معاملات و مقدمات آئیں گے، تو میرے لیے فیصلے کرنا بہت مشکل ہوگا، قضا کا منصب بہت نازک ہوتا ہے، آپ کسی عمر رسیدہ، قابل، تجربہ کار شخص کو یمن کا قاضی بنا کر بھیج دیں تو زیادہ مناسب ہوگا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہماری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی، اللہ کا فضل و کرم تمہارے شامل حال رہے گا، تو کبھی تمہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی یہ کہہ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے مندرجہ ذیل جملے اپنی زبان مبارک سے حضرت علیؓ کے حق میں ادا فرمائے:

اِنَّ اللّٰـهَ سَيَهْدِيْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ إِذَا تَقَاضٰى إِلَيْكَ رَجُلاَنِ فَلاَ تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلاَمَ الْآخَرِ؛ فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يَّتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ، قَالَ: فَمَا شَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَعْدُ. (سنن أبي داؤد: ۳۸۵/۲ باب كيف القضاء)

اللہ تمہارے دل کو ہدایت یافتہ بنائے گا، صحیح فیصلہ کرنے والے تم بنوگے، اور تمہاری زبان بھی حق کے اوپر جمی رہے گی، بس ایک ہدایت ہے کہ کسی ایک فریق کی بات کو سن کر فیصلہ مت کر لینا جب تک کہ دونوں فریقوں کی بات تمہارے سامنے نہ آجائے، اس لئے کہ اس صورت میں معاملہ تمہارے سامنے خوب واضح ہو جائے گا۔

حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو لے کر میں یمن پہنچا، منصب قضا کو اختیار کیا اور پھر جتنے مقدمات کو میں نے فیصل کیا کسی بھی مقدمہ میں کبھی کوئی دشواری اور دقت پیش نہ آئی، اور اس معاملہ میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہوا، سنن ابن ماجہ میں مزید تفصیل ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور دعا فرمائی: ''اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَلْبَهُ وَثَبِّتْ لِسَانَهُ''. (سنن ابن ماجة رقم: ۲۳۱۰)

جس بار اور بوجھ کو اٹھانے کے لیے پہلے حضرت علیؓ تیار نہیں تھے، دل گھبرا رہا تھا کہ کم عمری کی وجہ سے فیصلہ کیسے کروں گا، اللہ کے رسول ﷺ کی اس دعا نے یہ کمال دکھلایا کہ حضرت علیؓ کی وہ گھبراہٹ دور ہوگئی اور عمر بھر وہ فیصلے کئے جو مبنی بر صواب تھے، یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

کھجوروں میں برکت

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس تھوڑی سی کھجوریں تھیں، میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''اُدْعُ اللّٰهَ لِيْ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ'' یا رسول اللہ! میری کھجوروں میں برکت کی دعا فرما دیجئے، تنگ دستی تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہاں فاقے پر فاقے ہو جایا کرتے تھے، تھوڑی کھجوریں مل گئی تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں برکت کی دعا لینے کے لئے چلے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو ہریرہ جتنی کھجوریں تمہارے تھیلے میں ہیں وہ سب نیچے کسی کپڑے پر ڈال دو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ کھجوریں کپڑے کے

اوپر ڈالیں "فَصَفَّهُنَّ أَوْ ضَمَّهُنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ دَعَا" پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے ان کھجوروں کو پھیلایا، تہہ بہ تہہ لگایا یا سمیٹا، یعنی ملا ملا کر رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ الٰہ العالمین! ان کھجوروں میں برکت عطا فرما اور پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: خُذْهُنَّ وَاجْعَلْهُنَّ فِي مِزْوَدِكَ هٰذَا كُلَّمَا أَرَدْتَّ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا فَأَدْخِلْ يَدَكَ وَلَا تَنْثُرْهُ" یہ لو اسے اپنے توشہ دان میں ڈال لو اور جب بھی اس میں سے لینا چاہو اپنا ہاتھ ڈال ڈال کر نکالتے رہنا مگر پھیلانا مت، حضرت ابوہریرہؓ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے مطابق ان مٹھی بھر کھجوروں کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا۔

حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ چالیس چالیس وسق میں نے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا تب بھی کھجوریں ختم نہ ہوئیں، جب بھی بھوک لگتی تھی پیٹ بھر کھا لیا کرتا تھا اور کھجوریں تھیلے کے اندر باقی رہا کرتی تھیں، لوگ آتے تھے اور مجھ سے کھجورے مانگا کرتے تھے میں دیا کرتا تھا اور کھجورے اس تھیلے سے ختم نہیں ہوتی تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے تشریف لے گئے، میرے تھیلے میں کھجوریں باقی رہیں، صدیق اکبرؓ کا زمانہ خلافت آیا (جو دو سال تین ماہ پر مشتمل تھا)، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ جادوئی تھیلہ اسی طرح باقی رہا اور پورے زمانۂ خلافت میں اس تھیلے کے اندر سے کھجوریں ختم نہ ہوئیں، کھا رہے ہیں، تقسیم کر رہے ہیں؛ لیکن کھجورے ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت (جو دس سال چھ ماہ پر مشتمل تھا) گذر گیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تھیلے کی وہ کھجوریں ختم نہیں ہوئیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ کا زمانۂ خلافت پورا گذر گیا (جو بارہ سال پر مشتمل تھا) اس تھیلے کی کھجوریں ختم نہ ہوئیں۔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا تو وہ تھیلا غائب ہو گیا۔ (رواہ الترمذی رقم: ۳۸۳۹ مناقب ابی ہریرہ)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے بیسیوں سال اس تھیلے کے اندر کھجوریں باقی رہیں، اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں یہ برکت وتاثیر رکھی تھی کہ آپ جو مانگ لیا کرتے تھے، باری تعالیٰ جی بھر کے عطا فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا قبولِ اسلام

قبولیت دعا کا اِسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے، اس کے راوی بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

فرماتے ہیں کہ میں نے تو اسلام قبول کرلیا تھا اور آقا کا غلام بن گیا تھا، آپ کے دروازے پر پڑا رہتا تھا، مسجد میں بیٹھا رہتا تھا اور آپ کی مجالس میں حاضر ہوتا تھا؛ لیکن میری والدہ نے اسلام قبول نہ کیا اور میں اس مسئلہ میں بڑا فکر مند رہتا تھا کہ میں کسی طرح اپنی والدہ کو بھی کلمہ پڑھادوں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں میں ان کا نام بھی لکھوادوں؛ لیکن والدہ اتنی سخت دل تھیں کہ وہ کلمہ پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی تھیں، جب بھی میں ان کو دعوت دیتا تھا، وہ سنی ان سنی کردیا کرتی تھیں۔فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بڑی امیدوں کے ساتھ ماں کے پاس گیا اور بیٹھ کر ان سے بات چیت کی ان کو سمجھایا اور اخیر میں ان کو دعوت دی کہ اماں اسلام قبول کرلیجیے، اس روز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں کوئی سخت جملہ استعمال کرلیا اس جملہ کا سننا تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تو صبر کا پیمانہ چھلک گیا، ماں کے علاوہ اگر کوئی اور ہوتا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کچھ کرسکتے تھے کر لیتے لیکن ایک طرف ماں کا احترام تھا اور دوسری طرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس، بے اختیار رونے لگے، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور روتے روتے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رورو کر نڈھال ہوگئے ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! میری ماں کے لیے دعا کردیجیے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا دعا کروانا چاہتے ہو، فرمایا کہ یارسول اللہ ان کو ایمان کی دعوت دیتے دیتے تھک گیا ہوں، جب موقع ملتا ہے جاتا ہوں سمجھاتا ہوں، لیکن وہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوتیں اور آج جب میں نے ان سے گفتگو کی تو انھوں نے آپ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے! اب گذارش یہ ہے کہ آپ میری ماں کی ہدایت کے لیے دعا کردیجیے، ایک تو انھوں نے ویسے ہی اسلام قبول نہ کیا اور پھر آپ کی شان میں ایسا جملہ استعمال کرلیا، نہ جانے آخرت میں ان کا انجام کیا ہوگا، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی وقت دعا فرماتے ہیں: ”اَللّٰھُمَّ اِھدِ اُمَّ اَبِي ھُرَیْرَۃَ“ اے الہ العالمین! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت سے سرفراز فرما، ماں دور ہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ پر ان کے حق میں دعا فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اطمینان ہوجاتا ہے اور پھر جاتے ہیں ماں کے پاس، فرماتے ہیں کہ میں دروازے پر پہنچا تو دروازہ اندر سے بند تھا، میں نے دستک دی، ماں نے پوچھا کون؟ جواب دیا: ابو ہریرہؓ، آواز آئی کہ ابھی باہر کھڑے رہو، اندر آنے کی اجازت نہیں، ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں کچھ

دیر باہر کھڑا رہا، تو مجھے پانی گرنے کی آواز آنے لگی، میں نے یہ محسوس کیا کہ والدہ غسل کر رہی ہیں، واقعۃً وہ غسل کر رہی تھیں، کچھ دیر بعد انھوں نے دروازہ کھولا اور جیسے ہی میں ان کی نگاہوں کے سامنے پہنچا تو انھوں نے فوراً ”اَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ“ کے سامعہ نواز ترانہ سے استقبال کر کے میرے دل کو ٹھنڈا کر دیا۔ (رواہ مسلم رقم: ۲۴۹۱، فضائل ابی ہریرۃ)

یہ قدرت کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے، وہ خاتون جو ابھی چند لمحات قبل پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں گستاخی کر رہی تھیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دعائیہ جملہ نے یہ اثر کیا کہ اللہ نے دل کی ایسی کایا پلٹی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ محبوب ان کی نگاہ میں کوئی نہ رہا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا تو اب تک تو وہ غم اور فکر کے مارے رو رہے تھے، اب خوشی اور مسرت کے آنسوؤں سے ان کی آنکھیں بھر گئیں۔ شاداں تھے کہ میری محنت رنگ لے آئی اور میں اپنی ماں کو اللہ کے فضل اور نبی کی دعا کی برکت سے جہنم کے عذاب سے بچانے میں کامیاب ہو گیا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک اور درخواست لگائی کہ اے اللہ کے رسول! یہ دعا کر دیجیے کہ اللہ مجھے اور میری ماں کو سب کا محبوب بنا دے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کر دی۔ اللہ نے وہ دعا بھی قبول فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور کی اس دعا کے بعد مرنے تک مجھے کوئی انسان ایسا نہیں ملا جو مجھ سے محبت نہ کرتا ہو۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْا اُمِّي اِلَى الْاِسْلَامِ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ، فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَأَسْمَعَتْنِي فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ! مَا اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ! وَاَنَا اَبْكِي، قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّي كُنْتُ اَدْعُوْا اُمِّي اِلَى الْاِسْلَامِ فَتَأْبٰى عَلَيَّ، فَدَعَوْتُهَا الْيَوْمَ فَاَسْمَعَتْنِيْ فِيْكَ مَا اَكْرَهُ، فَادْعُ اللّٰهَ! اَنْ يَّهْدِيَ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، فَقَالَ

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں ان کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے ان سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق مجھ کو ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا اور آپ ﷺ کی خدمت میں روتا ہوا پہنچا اور بولا یا رسول اللہ! میں اپنی والدہ کو ہمیشہ اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا مگر وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کرتی رہیں؛ لیکن آج کا واقعہ ہے کہ میں نے ان کو اسلام کی

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، اَللّٰهُمَّ اِهْدِ اُمَّ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ! فَلَمَّا جِئْتُ فَصِرْتُ اِلَى الْبَابِ فَإِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّي خَشْفَ قَدَمَيَّ فَقَالَتْ: مَكَانَكَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ قَالَ فَاغْتَسَلَتْ وَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَيْتُهُ وَاَنَا اَبْكِي مِنَ الْفَرَحِ، قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَبْشِرْ قَدِ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دَعْوَتَكَ وَهَدیٰ اُمَّ اَبِي هُرَيْرَةَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنیٰ عَلَيْهِ، وَقَالَ خَيْرًا، قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّحَبِّبَنِیْ اَنَا وَاُمِّي إِلٰى عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُحَبِّبَهُمْ إِلَيْنَا، قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا – يَعْنِي اَبَا هُرَيْرَةَ وَاُمَّهُ إِلٰى عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَحَبِّبْ إِلَيْهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا خُلِقَ مُؤْمِنٌ يَسْمَعُ بِي

دعوت دی تو انہوں نے آپ ﷺ کے متعلق مجھ کو ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا تو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ ابوہریرہؓ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آپ ﷺ نے فوراً یہ دعا دی کہ الٰہی ابوہریرہؓ کی ماں کو اسلام کی توفیق بخش دے۔ پھر کیا تھا آپ ﷺ کی دعا کی وجہ سے میں خوش ہوتا ہوا گھر کے دروازے کے پاس پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بند ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ پائی تو فرمایا ابوہریرہؓ باہر ہی رہنا۔ ادھر مجھ کو پانی بہانے کی آواز آئی وہ غسل فرما چکی تھیں اور اپنا کرتہ پہن رہی تھیں فوراً اپنی اوڑھنی اوڑھنے کے لیے جھپٹیں اور فوراً دروازہ کھول دیا اور مجھ کو آواز دے کر بولیں اشہدان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ اس مرتبہ خوشی کے مارے روتا ہوا رسول اللہ کی خدمت میں پہنچا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور ابوہریرہ کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرمائی۔ اسی وقت آپ ﷺ نے خدا کی تعریف اور دعا کے کلمات فرمائے، یہ سماں دیکھ کر میں بول پڑا یا رسول اللہ اب یہ دعا بھی کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری والدہ کو مسلمانوں میں محبوب بنا دے اور ان کو ہماری نظروں میں محبوب بنا دے۔ آپ ﷺ نے پھر اسی

وَلَا يَـرَانِـيْ، إِلَّا احَبَّنِيْ". (صحيح مسلم ٦٣٩٦ فضائل أبي هريرة ﷺ)

وقت دعا دی الٰہی اپنے اس بندہ کو اور اس کی والدہ کو اپنے مومن بندوں کی نظروں میں محبوب بنا دے اور ان دونوں کو ان کی نظروں میں محبوب بنا دے اس کے بعد پھر کوئی مومن نہ بچا جو مجھ کو دیکھے بغیر صرف میرا نام سن کر مجھے محبوب نہ رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی شخصیت کو ہر اعتبار سے مثالی بنایا تھا، آپ کی زندگی کے کسی بھی پہلو کو لے لیجیے، کوئی دوسرا نمونہ اور نظیر جناب رسول اللہ کی نہیں مل پائے گی۔

مال میں برکت

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے کپڑے کے اوپر زردی لگی ہوئی تھی، زرد رنگ کی ایک خوشبو ہوتی تھی جو خاص طور پر اس زمانے میں وہ لوگ استعمال کرتے تھے جن کی نئی نئی شادی ہوتی تھی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے کپڑوں پر خاص طرح کی خوشبو کے کچھ اثرات دیکھے پوچھا کہ ابن عوف یہ کیا ہے؟ کہنے لگے یا رسول اللہ خوشبو ہے اور میں نے ایک انصاریہ خاتون سے نکاح کرلیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار کیا اور ان کو دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "بَـارَکَ الـلّٰـهُ لَکَ فِيْ أَهْـلِکَ وَمَـــــالِکَ" (اللہ تمہاری جان و مال میں، عزت و آبرو و کاروبار میں اور تمام چیزوں میں برکت عطا فرمائے) پھر پوچھا کہ مہر کیا دیا۔ میں نے بتایا کہ ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا، اس کے بعد فرمایا: "أولم ولو بشاة" ولیمہ کرو چاہے ایک ہی بکری سہی۔ (صحیح البخاری/کتاب البیوع، حدیث:۲۰۴۸)

پہلا سبق: اس واقعہ میں ایک سبق تو یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حد درجہ قریبی ہیں، آپ کی مجلس کے حاضر باش ہیں، نکاح کر لیتے ہیں، خوشی کی خبر سناتے ہیں؛ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع نہیں؛ لیکن آپ کسی طرح کی ناگواری کا اظہار نہیں کرتے، یہ ہمارے لیے سبق اور نصیحت ہے، ہمارے معاشرے میں صورت حال یہ ہے کہ اگر خاندان کے کسی آدمی نے شادی کرلی اور ہمیں نہیں پوچھا تو اس سے ہمیں شکایت ہوجاتی ہے۔ سالوں تک بات بند ہوجاتی ہے اور وہ

ہر جگہ یہی کہتا ہے کہ انھوں نے تو ہمیں پوچھا بھی نہیں۔

دوسری چیز جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی: ''أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ'' (ولیمہ کرو چاہے ایک بکری سے ہو) ولیمہ مسنون ہے اور اس کو اپنی استطاعت کے اعتبار سے کرنا چاہئے، ہمارے یہاں ولیمہ کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا دیگر غیر ضروری رسوم و رواج کا اہتمام ہوتا ہے۔ اور اب تو یہ صورت حال ہے کہ منگنی میں ہی اتنی لمبی دعوت ہوتی ہے کہ دعوت ولیمہ کی سی شکل ہو جاتی ہے، ایسی چیزوں کی وجہ سے نکاح آج کل مشکل ترین عمل بن گیا ہے، کتنا آسان طریقہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اولم ولو بشاۃ۔

غیر معمولی نفع

تیسری چیز جو اصلاً یہاں بیان کرنی مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی جو دعاء حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دی، اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ کے مال دار لوگوں میں شمار ہوتے تھے، ہجرت فرما کر وہ بھی مدینہ منورہ تشریف لے گئے؛ لیکن جس وقت مدینہ منورہ گئے تو اس وقت ان کے پاس کچھ نہیں تھا، سارا مال، دولت، زمین و جائیداد و کاروبار مکہ چھوڑ کر اللہ کی رضا کے لیے مدینہ ہجرت کر گئے تھے، مدینہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی مؤاخات کرادی، مواخات کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا دیا جو مدینہ کے ہی رہنے والے تھے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ یہی تھا کہ جو مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ ہجرت کر کے آتے تھے اور ان کے لیے کوئی سہارا نہیں ہوتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں سے ان کو کسی کا بھائی بنا دیا کرتے تھے، اور وہ کاروبار میں ان کو شریک کر لیتے تھے، چنانچہ مواخات ہوئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور خوش دلی کے ساتھ ان کو اپنے ساتھ شریک کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہاں تک پیش کش کی کہ میری دو زوجہ ہیں، ان میں سے میں ایک کو طلاق دیتا ہوں اور آپ اس طلاق شدہ بیوی کو لے لیں اور اس سے نکاح کر لیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کا شکریہ ادا کیا، ان کے جذبات کی قدر کی، اور ان کی پیش کش کو منع کر دیا، آپ نے میرے ساتھ جو معاملہ کیا میں ان کی قدر کرتا ہوں، بس مجھے تو آپ بازار کا راستہ بتا دیجیے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کو بازار کا

راستہ بتایا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے پنیر کی تجارت شروع کی اور شرعات بہت معمولی درجہ کی ہوئی؛ لیکن چند ہی دنوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس تجارت میں غیر معمولی نفع حاصل ہوا، فرماتے ہیں کہ میرا تصور اور وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اس معمولی تجارت میں اتنا عظیم نفع مجھے ہوجائے گا، اتنا نفع ہوا کہ چند ہی دنوں میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اللہ کے راستہ میں ۴/لاکھ دینار صدقہ وخیرات کیے، اور مختلف مواقع پر لوگوں کی ضرورت کے لیے ۴۰-۴۰ ہزار دینار دیئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ سے زیادہ نفع عطا فرمایا۔

خود فرماتے تھے کہ اگر میں پتھر بھی اُٹھاتا تھا تو اس کے نیچے سے سونا نکلتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور راہ خدا میں خرچ کرنے کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لیے وافر دولت چھوڑ گئے، یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائیداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسّی اسّی ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑگئے، جائیداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔ (اسد الغابہ ۳/۳۱۷)

یہ وہ واقعات ہیں کہ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے قبولیت کے آثار کا علم ہوتا ہے، جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمادی اس کے دن بدل گئے، جس کے مسئلہ کے بارے میں دعا فرمادی، لمحوں میں وہ مسئلہ حل ہوگیا، آج بھی ہم اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کے مستحق بن سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ کی سنتوں پر عمل کرکے آپ کو راضی کرنے والے کام کیے جائیں۔ اس لیے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ اپنی قبر اطہر کے اندر باحیات ہیں، آپ کا کوئی امتی اگر آپ کو راضی کرنے والا کام کرے گا تو یقینی طور پر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کا مستحق بنے گا، اور جس انسان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات نصیب ہوجائیں گی اس کا بیڑا پار ہوکر رہے گا، کامیابی اس کے ہر محاذ پر قدم چومتی رہے گی۔

اَولیاتِ صحابہؓ

سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

حبشہ کے سب سے پہلے مہاجر صحابیؓ

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی استاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفر نگر یوپی

حضرت عثمانؓ پر تین اعتراضات اور ان کے جوابات

ایک مرتبہ مصر کے لوگوں میں سے ایک شخص نے بیت اللہ کا حج کیا، اس نے (مسجدِ حرام میں) کچھ لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھا، اس نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ قریش کے لوگ ہیں، اس نے پوچھا: ان میں یہ شیخ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، تو وہ آپؓ کے پاس آیا اور کہا: میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں آپ مجھے اس کا جواب دیں:

پہلا اعتراض: - میں آپ کو اس گھر (بیت اللہ) کی عزت وعظمت کی قسم دیتا ہوں! کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) جنگِ احد میں بھاگ گئے تھے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔

دوسرا اعتراض: - اس شخص نے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ جنگِ بدر سے غائب رہے تھے، اور وہ اس میں شریک نہیں ہوئے تھے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں۔

تیسرا اعتراض: - اس نے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعتِ رضوان سے بھی غائب رہے تھے، پس وہ اس میں شریک نہیں ہوئے تھے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کا اعتراف کرلیا۔ پس اس شخص نے کہا: اللہ اکبر! یعنی تینوں اعتراضات صحیح نکلے، گویا اس شخص نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراضات کرکے یہ بات مستنبط کی کہ وہ خلافت کے اہل نہیں تھے، نعوذ باللہ من ذلک۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: آ، تاکہ میں تجھ سے ان باتوں کی وضاحت کروں جو تو نے پوچھی ہیں، یعنی اپنے اعتراضات کے جوابات بھی لیتا جا۔

پہلے اعتراض کا جواب: - بہرحال ان کا جنگِ احد کے موقع پر بھاگنا، تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کردیا ہے، (اس سے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۵ مراد ہے، جو مع ترجمہ ''غزوۂ احد'' کے زیرِ عنوان گزر چکی) اب جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کردیا تو دوسروں کو مؤاخذہ اور

اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

دوسرے اعتراض کا جواب: - اور رہا ان کا جنگِ بدر سے غیر حاضر رہنا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھیں، اور وہ سخت علیل تھیں، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمارداری کے لیے گھر رہنے کا حکم دیا، اور فرمایا: تمہیں جنگ بدر میں شریک ہونے والے کے برابر ثواب بھی ملے گا اور اس کے برابر مالِ غنیمت سے حصہ بھی ملے گا۔ گویا جنگ بدر سے غیر حاضری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان کو جنگ بدر میں شریک قرار دیا، اب اعتراض بے معنی اور مہمل ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب: - اور ان کا بیعتِ رضوان سے غیر حاضر رہنا، تو اگر کوئی شخص مکہ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ معزز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کی جگہ اسی کو بھیجتے، (مگر ایسا کوئی نہیں تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اور بیعت رضوان اُن کے مکہ مکرمہ جانے کے بعد ہوئی تھی، بلکہ انہی کے خون کا انتقام لینے کے لیے بیعت لی گئی تھی) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے'' اور اس کو اپنے بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا: ''یہ عثمان کے لیے (بیعت) ہے''، پھر اس مصری معترض سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اب یہ جوابات اپنے ساتھ لیتا جا۔

(صحیح بخاری ۱/۵۲۳۔ جامع ترمذی ۲/۲۱۱، باب مناقب عثمان بن عفانؓ)

حضرت ابوبکرؓ کے وصیت نامہ کی کتابت اور حضرت عثمانؓ کی فراست: - حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مرض الوفات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ نامزد فرمایا، اور استخلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے تحریر کرایا، اس سلسلے میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وصیت نامے کی کتابت کے دوران کسی کا نام لکھانے سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غشی طاری ہوگئی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی فہم وفراست سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لکھ دیا، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو پوچھا: پڑھو کیا لکھا؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سنانا شروع کیا، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے اختیار ''اللہ اکبر'' پکار اٹھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس فہم

وفراست کی بہت تعریف وتوصیف کی۔(طبقات ابن سعد ۱۸۳/۳، ۱۸۴، طبقات البدریین من المہاجرین، ذکروصیۃ ابی بکرؓ)

خلافت: - ۲۳ھ ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیزہ لگنے کے بعد مرض الوفات میں عہدۂ خلافت کے لیے چھ حضرات (عثمان غنی، علی مرتضیٰ، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین) کا نام پیش کیا کہ تین دن کے اندران میں سے کسی کو منتخب کرلیا جائے، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (کو کیوں کہ والدِ محترم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کا غم رہے گا اس لیے ان) کی تسلی کے لیے فرمایا کہ وہ صرف مشورے میں شریک رہیں گے، اور تین دن تک حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین سے فراغت کے بعد خلافت کا مسئلہ پیش ہوا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ افراد میں دائر ہے، اس کو تین افراد میں منحصر کردیا جائے، اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہے اس کا نام پیش کرے، چناں چہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں، اس لیے اب خلافت دو آدمیوں میں منحصر ہوگئی، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ مجھے سونپ دیں، دونوں حضرات رضامند ہوگئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دونوں سے علاحدہ علاحدہ گفتگو کی کہ اگر آپ کو خلافت سونپ دی جائے تو عدل وانصاف کریں گے، اور اگر فلاں کو سونپ دی جائے تو اطاعت کریں گے، دونوں نے عہد کیا، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر تمام حاضرین نے بیعت کی، چناں چہ ایک قول کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین دن کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ ہجری بروز سنیچر اور بقولِ بعض ۳، یا ۴ محرم الحرام ۲۴ھ ہجری بروز پیر آپ نے خلافت سنبھالی، اور بقول واقدیؒ ۲۹، یا ۳۰ ذی الحجہ ۲۳ھ بروز پیر بیعت ہوئی، اور یکم محرم الحرام ۲۴ھ ہجری بروز منگل امورِ خلافت کی جانب متوجہ ہوئے، واللہ اعلم۔(اسد الغابہ ۵۸۴/۳، ۵۸۵۔ البدایہ والنہایہ ۲۱۴/۱۰۔ تاریخ طبری ۱۹۳/۴، ۱۹۴۔ طبقات ابن سعد ۶۰/۳، طبقات البدریین من المہاجرین)

لباس اور پردے سے متعلق
اِسلامی تعلیمات

مولانا مفتی محمد رضوان قاسمی استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

اِنسانوں کے لئے اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں، زندگی کا کوئی گوشہ اسلام کی تعلیمات سے خالی نہیں ہے، لباس اور پردہ بھی زندگی کے گوشوں میں سے ایک اہم ترین گوشہ ہے، اور چوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ انسان کے لباس کا اس کی زندگی اور اس کے اخلاق وکردار پر بڑا اثر پڑتا ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس کے بارے میں خصوصی ہدایات دی گئی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جبے کا اثر

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بہت شاندار جبہ پہن کر مسجد نبوی میں خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے، جب خطبہ سے فارغ ہوکر تشریف لے گئے تو آپ نے اس جبہ کو اُتار دیا، اور فرمایا کہ میں آئندہ اس جبہ کو نہیں پہنوں گا؛ اس لئے کہ اس جبہ کو پہننے سے میرے دل میں بڑائی اور تکبر کا احساس پیدا ہوگیا۔ (مستفاد: اصلاحی خطبات ۵/۲۶۱)

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسا لباس نہ پہنا جائے کہ جس کے پہننے سے تکبر کا اظہار ہوتا ہو۔

قرآنِ کریم میں لباس کے بنیادی اُصول کا ذکر

قرآنِ کریم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس اُتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے، اور جو تمہارے لئے زینت کا سبب بنتا ہے، اور تقویٰ کا لباس تمہارے لئے سب سے بہتر ہے۔ (سورۂ انعام آیت: ۱۲۰)

باری تعالیٰ کے اس فرمان میں لباس کے دو خاص فائدے بیان کئے گئے ہیں، ایک ستر پوشی یعنی انسان کے جسم کے ان حصوں کا چھپانا جن پر غیروں کی نظر پڑنا حرام ہیں۔ دوسرے زینت اور آرائش کہ

دیکھنے میں آدمی بھلا معلوم ہو اور جانوروں کی طرح ننگ دھڑنگ نہ پھرے، اور آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اچھا اور عمدہ لباس تقویٰ یعنی پرہیزگاری کا لباس ہے۔

اَحادیثِ شریفہ میں لباس کی ہدایات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت بھی یہی ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصد حاصل ہو، اور دیکھنے میں آدمی خوبصورت اور باوقار معلوم ہو، نہ تو ایسا ناقص اور ادھورا ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی حاصل نہ ہو، اور نہ ایسا گندا اور بے تکا ہو کہ بجائے زیب وزینت کے آدمی کی صورت بگاڑ دے، اسی طرح آرائش اور تجمل کے لئے بے جا اسراف نہ ہو، اور مرد خالص ریشمی کپڑا اور سونے کا استعمال نہ کریں؛ کیوں کہ سونے چاندی کے زیورات عورتوں کے لئے مخصوص ہیں، اسی طرح مرد خالص عورتوں والا لباس پہن کر عورتوں کی صورت نہ بنائیں۔ اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانی فطرت پر ظلم نہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مرد عورت اور عورت مرد کا لباس نہ پہنے؛ کیوں کہ اس سے خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ (ابوداؤد شریف ۲/۵۶۶)

لباس کے چار بنیادی اُصول

لباس کا پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ اس سے ستر عورت کو چھپایا جائے، دوسرا اصول یہ ہے کہ اس سے زینت اور خوبصورتی حاصل کی جائے، تیسرا اصول یہ ہے کہ تشبہ سے بچا جائے، یعنی کسی غیر مسلم قوم کی نقالی کی نیت سے کوئی لباس نہ پہنا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ تشبہ اختیار کرے اور اس کی نقالی کرے اور ان جیسا بننے کی کوشش کرے تو وہ انہیں میں سے ہے۔ (گویا کہ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے) (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۵)

لباس کے بارے میں چوتھا اصول یہ ہے کہ ایسا لباس نہ پہنے کہ جس کو پہن کر دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوتی ہو۔

لباس کے تین عیب

لباس کا بنیادی مقصد یعنی ستر پوشی پورا نہ کرنے کی تین صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ لباس

اتنا چھوٹا ہو کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لباس اتنا باریک ہو کہ جس سے اندر کا بدن جھلکتا ہوا نظر آتا ہو، تیسری صورت یہ ہے کہ لباس اتنا چست ہو کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور جسم کا اُبھار نظر آرہا ہو، یہ بھی ستر کے منشاء کے خلاف ہے، اس طرح کا لباس پہننے والی عورتوں پر حدیث شریف میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں کو میں نے جہنم میں دیکھا ہے، اُن میں سے دو جماعتیں میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھیں، یعنی وہ آئندہ زمانہ میں پیدا ہوں گی:

(۱) ایک وہ ظالم و جابر جن کے ہاتھوں میں گائے کی دموں کی طرح کوڑے ہوں گے، اور وہ خواہ مخواہ لوگوں پر ظلم و جبر کرتے اور اُن پر دھونس جماتے ہوں گے۔

(۲) دوسرے وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود ننگی نظر آئیں گی۔ یعنی اتنا مختصر لباس پہنیں گی کہ اعضاء کھلے رہ جائیں گے، جس کا آج کل عام رواج ہوتا جارہا ہے۔

اِس میں وہ تمام عورتیں شامل ہیں جو دوپٹہ کمر پر ڈال لیتی ہیں، جس سے سینہ اور پیٹ کھلے رہتے ہیں، یا بازو، پنڈلیاں، سر، پیٹ وغیرہ کھلا رہتا ہے، یا بھڑک دار لباس پہنتی ہیں یا اتنا چست اور باریک لباس اختیار کرتی ہیں کہ سارے اعضاء صاف طور پر ابھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، یہ عورتیں خود بھی مردوں پر رجھنے والی ہوں گی اور وہ مردوں کو بھی اپنی طرف رِجھانے والی ہوں گی، اور اُن کے سر بختی اونٹوں کی کوہان کی طرح حرکت کرنے والے ہوں گے، یعنی سروں پر جوڑے باندھ کر مٹک مٹک کر سڑکوں پر چلیں گی، ایسی عورتوں کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی بے حیائیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی، حالاں کہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت کی دوری سے آنے لگتی ہے۔ (مسلم شریف ۲/۳۰۶)

اس زمانہ میں یہ دونوں جماعتیں وجود میں آچکی ہیں، جگہ جگہ داداگیری کرتے ہوئے ظالم و جابر لوگ نظر آتے ہیں، اسی طرح مذکورہ صفات کی حامل عورتیں بازاروں، سڑکوں، اسکولوں اور تقریبات میں نظر آتی ہیں، اور تقریبات کے موقع پر کھل کر بے پردگی کی جاتی ہے۔ اسی طرح گھروں کے اندر بھی پردہ کا

اہتمام باقی نہیں، ذرا سے رشتہ کو بے پردگی کا بہانا بنالیا جاتا ہے، حالاں کہ عورتوں کا اجنبی مردوں سے اختلاط شریعت کی نظر میں انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔

مردوں کے لئے ریشم اور سونا پہننے کی ممانعت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سونا اور ریشمی کپڑے کا استعمال میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۵)

دوسری حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مردوں کے لئے وہ ریشمی کپڑا حرام ہے، جو خالص ریشم کا ہو یا ریشم غالب ہو اور اگر ریشم غالب نہیں ہے یا غیر ریشمی کپڑے پر ریشمی نقش ونگار بنے ہوئے ہیں، تو اس کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے۔

مردوں کیلئے خاص سرخ رنگ کی ممانعت

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، ایک آدمی گذرا، اور وہ دو سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا، اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ نے (اظہار ناراضگی کی وجہ سے) اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۵، ابوداؤد شریف ۲/۵۶۳)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خالص سرخ رنگ مردوں کے لئے ممنوع ہے اور اگر خالص سرخ رنگ کا کپڑا نہیں ہے؛ بلکہ سرخ رنگ کی دھاریاں ہیں، تو اس کا استعمال مردوں کے لئے درست ہے۔ (مستفاد: ترمذی شریف ۱/۳۰۲)

مردوں کے لئے سفید رنگ زیادہ پسندیدہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سفید کپڑے پہنا کرو، اس لئے کہ وہ زیادہ پاک صاف اور عمدہ ہوتے ہیں، اور سفید کپڑوں ہی میں اپنے مُردوں کو کفنایا کرو۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۴)

شان دکھلانے کیلئے کپڑا پہننے کی ممانعت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی دنیا میں دکھلاوے اور شہرت اور تکبر کی نیت

سے کپڑا پہنے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت اور رسوائی کا کپڑا پہنائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۵)

ٹخنے سے نیچے تک لباس پہننے کی ممانعت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے زمانے میں ٹخنے ڈھکنے اور لنگی پائجامہ نیچے تک پہننے کا بڑا فیشن اور رواج تھا؛ بلکہ اگر پائجامہ زمین پر بھی گھسٹتا جائے تو اس کو اچھا اور قابل فخر سمجھا جاتا تھا؛ لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے جس طرح جاہلیت کے اور طریقوں کو ختم کیا، اسی طرح اس طریقے کو بھی ختم فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لنگی یا پائجامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے پہنے گا، اسے جہنم کی سزا ملے گی۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۳)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے تہبند کو تکبر کے طور پر اتراتے ہوئے گھسیٹا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (نظر رحمت سے) نہ دیکھیں گے۔ (ابوداؤد شریف ۲/۵۶۴)

یعنی ٹخنے سے نیچے کپڑا پہننا دوزخ میں لے جانے کا سبب ہے، یہ مردوں کے لئے ہے، عورتیں ٹخنے ڈھکے رہیں؛ البتہ اتنا نیچا کپڑا عورتیں بھی نہ پہنیں جو زمین پر گھسٹتا ہو۔

لنگی پائجامہ وغیرہ پہننے کا طریقہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن بندہ کے لئے تہبند باندھنے کا (بہتر اور اولیٰ) طریقہ یہ ہے کہ نصف ساق (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو) اور اگر اس سے نیچے اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے؛ لیکن ٹخنے سے نیچے جائز نہیں ہے؛ بلکہ سخت گناہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۴)

اور اس حالت میں نماز بھی مکروہ ہوتی ہے؛ لیکن اگر کسی کا تہبند یا پائجامہ وغیرہ بے خیالی میں ٹخنوں سے نیچے ہو جائے اور خیال آنے پر فوراً اوپر کر لے تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

مساجد کی تعظیم ہمارا فرضِ منصبی

مولانا مفتی محمد وسیم ٹانڈوی اُستاذ جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ ضلع رام پور

مساجد اللہ کے گھر ہیں

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَيُذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ. (النور: ٣٦)

ان گھروں میں اللہ نے حکم دیا اُن کو بلند کرنے کا، اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا، یاد کرتے ہیں اُس کی وہاں صبح وشام۔

خانۂ کعبہ دنیا کی تمام مساجد کا مرکز اصلی، تجلیاتِ الٰہی کا مظہر اور انواراتِ الٰہی کا سرچشمہ ہے، جس کا فیض تمام مساجد میں جاری وساری ہے؛ کیوں کہ یہ بھی اللہ کے گھر اور دینی اُمور کو انجام دینے کے مراکز ہیں، جن کا مقصد تعمیرِ تذکیرِ الٰہی اور ذکر الٰہی ہے، اور یہ نماز واذکار، تلاوت وتسبیحات کی ادائیگی کے مستقر اور محل ہیں؛ کیوں کہ مسجد کہتے ہیں نماز پڑھنے کی جگہ کو، اور شریعت میں مسجد وہ وقف شدہ جگہ ہے جس میں نماز پڑھی جائے۔ **لغةً: محل السجود، وشرعاً: المحل الموقوف للصلاة فيه.** (مرقاة المفاتيح ٢/٣٨٥)

دنیا میں ہر قسم اور ہر مذہب کے ماننے والے لوگ موجود ہیں، جو اپنے اپنے مسلک کے مطابق امور کی ادائیگی کے لئے عبادت گاہوں کو متعین کرکے ان کو الگ الگ ناموں سے مزین کرتے ہیں، مثال کے طور پر راہبوں نے اپنے عبادت خانہ کا نام ''صومع'' (خلوت خانہ) اور عیسائیوں نے ''گرجا گھر'' اور یہودیوں نے ''کنیسہ'' اور مسلمانوں نے ''مسجد'' نام رکھا، جو مسلمانوں کی خلوت گاہ اور اُن کے تشخص کی علامت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسجد اِسلام کا شعار ہے، یعنی دین کے اِمتیازی نشانات میں دنیا کے کسی بھی خطہ کے اندر مسجد کا ہونا وہاں کے باشندوں کے لئے مسلمان ہونے کی علامت ہے، جن کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اُن کو مامون ومحفوظ رکھا جائے گا۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ٣/٣٤٠)

مساجد کا احترام ضروری ہے

مذہب اسلام کے ماننے والے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کی تعظیم وتکریم کریں، اُن کو ہر طرح کی گندگیوں اور نجاستوں سے پاک وصاف رکھیں؛ کیوں کہ ایسے لوگوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ایک گھر کی خوش خبری سنائی ہے، جو مسجد کو صاف رکھتے ہیں۔ **من أخرج أذی من المسجد بنی اللّٰہ بیتًا في الجنۃ.** (سنن ابن ماجۃ ۵۵)

اور دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کو صاف رکھنے کا حکم دیا، چناں چہ فرمایا: ’’**أمر رسول اللّٰہ ﷺ ببناء المسجد في الدور وأن ینظف ویتطیب**‘‘. (مشکاۃ المصابیح ۶۹)

اور مسجد کے احترام میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں کوئی دنیاوی گفتگو، لڑائی اور جھگڑے نہ کرے، غرضے کہ کوئی ایسی گفتگو یا کوئی ایسا عمل جو مسجد کی تعظیم کے منافی ہو جائز نہیں ہے۔ آج کل ہمارے بہت سے بھائی مساجد میں بیٹھ کر دنیاوی باتوں میں اس طرح مشغول ہوتے ہیں جس سے یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے گھر ہیں یا محلّہ کی چوپالیں، حالاں کہ حدیث میں ہے کہ مسجد میں آنے والا شخص اللہ کا مہمان ہے، اور میزبان پر حق ہے کہ وہ مہمان کا اکرام کرے۔ (تفسیر مظہری ۴؍۱۳۴)

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر بیع وشراء کرنے سے بھی منع فرمایا ہے؛ بلکہ اُن کی تجارت میں بددعا فرمائی ہے، چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِذَا رَأَیْتُمْ مَنْ یَبِیْعُ أَوْ یُبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقُوْلُوْا: لَا أَرْبَحَ اللّٰہُ تِجَارَتَکَ. (مشکاۃ ۷۰، ترمذی ۱؍۷۳)

جب تم نے مسجد میں بیچنے اور خریدنے والے کو دیکھو تو تم کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں نفع نہ کرے۔

مسجد کی صفائی ہمارا فرض ہے

ہم معتدل راہ سے ہٹ کر افراط وتفریط کی راہ کو اپنائے ہیں، اس طور پر کہ اولاً تو صفائی نہیں کرتے، جس کی وجہ سے مساجد میں جھاڑ جھنکار پیدا ہوجاتے ہیں اور فرش پر دھبّے پڑ جاتے ہیں، اور اگر کرتے ہیں تو اس میں طرح طرح کی گل کاریاں اور زیب وزینت کو اپناتے ہیں، جو مذموم اور قابل ترک ہے؛ کیوں کہ

صفائی اور چیز ہے جو ضروری ہے اور حد سے تجاوز کر کے زینت ناپسندیدہ ہے۔ چناں چہ ارشادِ نبوی ہے:

مَا سَاءَ عَمَلُ قومٍ قطُّ إلَّا زُخرِفُوْا مَسَاجِدَهُمْ. (سنن ابن ماجة ٥٤)

جب کسی بھی قوم کا کام بگڑتا ہے تو وہ اپنی مساجد کو مزین کرنے لگتے ہیں۔

مسجد کے نقش ونگار میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن زیادہ تکلفات بالخصوص محراب میں بیل بوٹے بنانا اس طرح کہ جس سے مصلی کا خیال منتشر ہو؛ مکروہ ہے۔ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے فرمایا: **ولا بأس بنقشه خلا محرابه؛ فإنه يكره؛ لأنه يُلهي المصلي أى فيخل بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده ونحوه، بمحل الكراهة التكلف بدقائق النقوش ونحوه خصوصًا في المحراب.** (شامی ٤٣٠/٢-٤٣١ زکریا)

بدبودار چیز کھا پی کر مسجد میں دخول کی ممانعت

مسجد کی تعظیم اور اُس کے اکرام واحترام میں یہ بھی ہے کہ کوئی بدبودار چیز کھا کر مسجد میں داخل نہ ہو؛ کیوں کہ اس سے صرف مصلیان ہی کو ایذا نہیں پہنچتی؛ بلکہ فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ چناں چہ ارشادنبوی ہے:

مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرُبَنَّ مَسْجِدَنَا؛ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَأَذّٰى مِمَّا يَتَأَذّٰى مِنْهُ الإِنْسُ. (صحيح مسلم ٢٠٩/١)

جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے؛ اِس لئے کہ جن چیزوں سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے، اسی چیز سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔

حدیث مذکورہ سے علت ممانعت بدبودار چیز ہے؛ لہٰذا سگریٹ، بیڑی، حقہ پی کر مسجد میں داخل نہیں ہونا چاہئے؛ کیوں کہ اس میں بھی علت مشترک ہے، اور اسی طرح وہ جس کے بدن میں پسینہ کی بدبو ہو یا کوڑھ کا مرض ہو، ایسے شخص کو بھی مسجد میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔

مسجد میں داخلہ کے آداب

تمام دنیا کے شاہی درباروں اور عدالتوں کے خاص خاص کچھ آداب ہوتے ہیں، جن کو ہر شخص جانتا ہے، تو اس لئے مسجد تمام بادشاہوں کے پیدا کرنے والے کا ایک عظیم الشان دربار ہے، اس لئے اس

کے بھی کچھ آداب ہیں، جن کی تعداد امام قرطبیؒ نے پندرہ نقل کی ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

(۱) اگر لوگ مسجد کے اندر بیٹھے ہوں، تو اُن کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو، تو کہے: ''**السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین**'' لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ کوئی نفل نماز، تلاوت، تسبیحات میں مشغول نہ ہو۔

(۲) مسجد میں بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، جب کہ وقت مکروہ نہ ہو۔

(۳) مسجد میں خرید وفروخت نہ کرے۔

(۴) وہاں تیر وتلوار نہ نکالے۔

(۵) مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان نہ کرے۔

(۶) مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔

(۷) وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔

(۸) مسجد میں بیٹھنے کی جگہ پر کسی سے جھگڑا نہ کرے۔

(۹) جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو، وہاں گھس کر لوگوں میں تنگی پیدا نہ کرے۔

(۱۰) کسی نمازی کے سامنے سے نہ گذرے۔

(۱۱) مسجد میں تھوکنے، ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔

(۱۲) انگلیاں نہ چٹخائے۔

(۱۳) اپنے بدن کے کسی حصہ سے نہ کھیلے۔

(۱۴) نجاستوں سے پاک وصاف رکھنے کے ساتھ ساتھ ناسمجھ بچوں اور مجنونوں کو بھی مسجد سے دور رکھے۔

(۱۵) وہاں ذکر اللہ میں مشغول رہے، غفلت نہ برتے۔

صاحبِ تفسیر قرطبی نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا کہ جس نے ان آداب پر عمل کیا، گویا کہ اُس نے مسجد کا حق ادا کر دیا، اور مسجد اُس کے لئے شیطان سے حفاظت کا ذریعہ اور اَمن گاہ ہوگی۔ (الجامع لاخلاق القرآن ۶/۱۸۳)

ذکرِ رفتگاں:

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستویؒ

نقوش وتأثرات

مولانا مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی استاذ دالعلوم دیوبند

دنیا ایک گزرگاہ ہے جس میں روز اوّل سے انسانوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری ہے، پھر آنے والے بھی مختلف، کوئی تو دنیا کی رنگینی اس کے حسن وزیبائش میں محو، مال واسباب کی کثرت کے باعث عیش وآرام کا خوگر، مال میں اضافہ کے لیے دن رات ایک کئے ہوئے، اور کوئی طاقت وقوت کے سہارے اقتدار پر براجمان، اپنی کمال ہوشیاری، سیاسی معرفت سے دنیا کو حیرت میں ڈالے ہوئے، انھیں سب میں بعض اللہ کے بندے انسانوں کی ہمدردی وخیر خواہی میں مشغول، عوام کی رہبری وہدایت کے لیے فکرمند، معاشرے سے ناخواندگی مٹانے اور دین کی تبلیغ واشاعت میں ہمہ وقت مصروف، مگر جانا سبھی کو پڑتا ہے، کوئی کم عمری میں تو کوئی عمر طبعی گذار کر، لیکن کچھ جانے والے اپنے پیچھے یادگار لمحات کا ایسا تسلسل چھوڑ جاتے ہیں جو بعد والوں کے لیے سامانِ سکوں اور عبرت وموعظت کا عنوان ہوتا ہے، ایسی ہی نمایاں شخصیات میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی رحمہ اللہ تھے، جو ۲۴؍ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۹؍ستمبر ۲۰۱۵ء بروز چہارشنبہ صبح ۸؍بجکر ۴۵؍منٹ پر طویل علالت کے بعد دار بقا کی طرف رخصت ہوگئے اور متعلقین ووابستگان کے لیے خوشگوار، یادوں بھرے لمحات، اور کچھ تاریخی نقوش چھوڑ گئے، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے آمین۔

احقر اپنی عمر کی دوسری دھائی میں شمالی ہند کے معروف ادارے جامعہ عربیہ اعزاز العلوم ویٹ میں زیر تعلیم تھا اسی جامعہ کے سالانہ اجلاس (جو ممتاز علماء کرام کی شرکت کی بنا پر اہل علاقہ کے لیے دلچسپ اور توجہ کا مرکز ہوتا ہے) میں حضرت مولانا کی شرکت اور خطاب، تعارف کا نقطہ آغاز ہے، پھر تو متعدد پروگراموں میں زیارت کا شرف اور دارالعلوم دیوبند میں طلب علمی کے دوران حضرت کی شفقتوں کا مشاہدہ ہوتا رہا، اور اب حضرت کو قریب سے دیکھنے، برتنے کا مزید موقع ملا، بلاشبہ حضرت والا کی زندگی بہت سی خوبیوں

سے آراستہ وپیراستہ تھی۔

ولادت وبچپن:- یوپی کے مشہور ضلع بستی سے جانب شمال تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر گاؤں دریاآباد ضلع کبیر نگر (پہلے ضلع بستی تھا) میں ١٩٣٥یا١٩٣٦ء میں آپ کی ولادت ہوئی، والد محترم محمد سلیم صاحب کھیتی باڑی کی مشغولی کے ساتھ صلاح وتقوی سے آراستہ تھے، ان پڑھ ہونے کے باوجود قرآن سننے کا شوق تھا، بعض سورتیں زبانی یاد تھیں، ان کی تلاوت کرتے رہتے تھے، تہجد کے پابند، اذان دینے کا شوق تھا، چنانچہ گاؤں کی جامع مسجد میں اکثر اذان پڑھا کرتے، صبر وقناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے، علماء وصلحاء سے خصوصی ربط رکھتے تھے، چنانچہ اپنے قریبی گاؤں مگہر کے ایک عبدالرحیم نام کے ولی صفت بزرگ میاں جی کے نام سے مشہور تھے، والد صاحب ان سے خاص تعلق رکھتے تھے، انھیں کی تجویز اور پسند سے حضرت مولانا کا نام عبدالرحیم رکھا گیا، بچپن گاؤں ہی میں والدین کی نگرانی میں گزرا، گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیلوں میں شرکت ہوتی مگر حضرت ایسے کھیلوں کو ہی پسند کرتے جن میں جسمانی ورزش ہوتی۔

تعلیم وتربیت:- آپ والدین کے سب سے بڑی اولاد تھے اس لیے آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ رہی، سب سے پہلے گاؤں کے مدرسہ اسلامیہ میں داخل کردیا گیا، جہاں حرف شناشی کی ابتداء اور اردو ہندی حساب، دینیات وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، درجہ ابتدائی تا درجہ چہارم پرائمری وناظرہ قرآنِ کریم پڑھا، وہاں کے اساتذہ میں ماسٹر شہرت علی، ماسٹر عبدالحمید، ماسٹر حشیم اللہ، ماسٹر سعید احمد اور ایک پنڈت جی تھے، مکتب کے اساتذہ محنتی اور ہمدرد تھے، مگر پنڈت جی کو حضرت مولانا بہت یاد کرتے تھے کیونکہ وہ برٹش حکومت کا دور تھا اور پنڈت جی غیر مسلم ہونے کے باوجود نماز سکھلاتے، تعلیم کے طور پر عصر کی نماز بچوں کو باجماعت پڑھواتے اور جہراً قرأت کراتے، غلطی پر ٹوکتے اور بچوں کو پارہ عم ناظرہ پڑھاتے، چنانچہ حضرت مولانا نے پارہ عم ناظرہ اور اردو کی ابتدائی کتابیں پنڈت جی سے ہی پڑھی تھیں، پنڈت جی کی حیات تک حضرت مولانا ان سے تعلق رکھتے تھے، حضرت مولانا مکتب کی تعلیم کے آخری زمانہ میں بیمار ہوگئے جس کی وجہ سے آخری درجہ کا امتحان نہ دے سکے۔

مکتب کی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے قریب کے گاؤں موڈاڈیہہ بیگ کے مدرسہ دینیہ میں داخلہ لیا، وہاں پر درجۂ فارسی کی کتابیں، فارسی کی پہلی، دوسری، آمد نامہ، کریما، پند نامہ، گلستاں بوستاں اور

نحومیر، میزان ومنشعب، پنج گنج، کبری، علم الصیغہ، نور الایضاح، ہدایت النحو وغیرہ متعدد اساتذہ سے پڑھیں، جن میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد اور مجاہد آزادی تھے) حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ، حضرت مولانا محمد شفاعت صاحب رحمۃ اللہ، حضرت مولانا حکیم جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ، حضرت مولانا اکبرعلی رحمۃ اللہ (یہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد تھے) حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یہ نومسلم تھے کچھ دن دارالعلوم حسینیہ تاؤلی میں تدریسی فرائض انجام دیئے بعدہ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے ، اور وہیں انتقال فرمایا) اور حضرت مولانا محمد اسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حضرت شیخ الادب کے مخصوص تلامذہ میں تھے ، اور حضرت مولانا کے مشورہ سے جامعہ عربیہ اعزاز العلوم ویٹ میں اہتمام کے فرائض انجام دیتے رہے اور وہیں پر وفات پائی)

موڈاڈیہہ بیگ میں آپ نے دو تین سال تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ نے مشرقی یوپی کے معروف ادارے مدرسہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ کا قصد کیا، اس وقت وہاں ہدایہ اور مشکاۃ شریف تک تعلیم تھی، تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی توجہ رہتی تھی، یہاں حضرت مولانا نے سال سوم کی متعدد کتابیں جن میں شرح تہذیب، قطبی، شرح جامی، ابن عقیل وغیرہ پڑھیں، وہاں کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید احمد سیتاپوری (جو حضرت کشمیری اور حضرت شیخ الادب کے خصوصی شاگرد تھے) حضرت مولانا سلامت اللہ صاحب بہرائچی، حضرت مولانا حافظ نعمان صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا حبیب احمد صاحب اعمیٰ تھے (ان کا حافظہ بہت قوی تھا اکثر نحو کی کتابیں پڑھاتے تھے) آپ کے سارے اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور اکابر سے تعلیم یافتہ اوران کی صحبت پائے ہوئے تھے، جس کا پرتو آپ کی زندگی میں خوب جھلکتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں :- حضرت مولاناؒ نے نورالعلوم بہرائچ میں کچھ وقت گزار کر دارالعلوم دیوبند آنے کا ارادہ کیا، اور شوال ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے، جوش وخروش کے ساتھ تعلیم کا آغاز کیا، پہلے سال قیام صدر گیٹ کے نزدیک کمرہ نمبر ۸؍ میں رہا، جو کمرہ آج کل دفتر اوقاف بنا ہوا ہے، استعداد میں پختگی کی نیت سے پہلے سال آپ نے کچھ گذشتہ کتابیں اعادہ کے طور پر منتخب کیں، چنانچہ اس سال حضرت مولانا سید اختر حسین صاحبؒ سے شرح جامی، حضرت مولانا محمد سالم صاحب سے

شرح وقایہ، حضرت مولانا احمد علی سعید صاحب سے اصول الشاشی، حضرت، مولانا فیض علی شاہ صاحب سے قطبی اور میر قطبی، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے نور الانوار اور حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے تجوید کی کتابیں پڑھیں، اسی طرح اگلے سال ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں آپ نے حضرت مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندی سے مختصر المعانی، تلخیص المفتاح، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے مقامات اور میبذی، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب سے ہدایہ اول، حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہاری سے سلم العلوم، حضرت مولانا فیض علی شاہ صاحب سے شرح عقائد پڑھی، اور پھر آئندہ سال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب سے مشکاۃ شریف اور شرح نخبۃ الفکر اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہاری سے جلالین شریف اور الفوز الکبیر، حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندی سے ملاحسن وغیرہ پڑھیں، آپ پڑھنے میں بہت محنتی اور دلچسپی رکھتے تھے، تکرار و مطالعہ کا شوق تھا اسی وجہ بعض مرتبہ نچلی کتابوں کے طلبہ اصرار کے ساتھ کسی کتاب کے تکرار کے لیے آپ کو پکڑ لیتے تھے، اور ذوق وشوق سے طلبہ آپ کے تکرار میں شامل ہوتے، حضرت مولانا بتلایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد اصول الشاشی کے تکرار میں بیٹھا کرتے تھے، یہ محنت وتکرار کی ہی برکت تھی کہ آپ ہر امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے، جیسا کہ امتحانات کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہر سال کی تمام کتابوں میں اعلی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، اور انعام میں گراں قدر کتب سے نوازا گیا، آپ کی طالب علمی کے زمانے میں دارالعلوم میں عربی زبان کی تدریس کے لیے مصر سے دو استاذ شیخ عبدالعال العقبابی اور شیخ عبدالمنعم النمر تشریف لائے تھے اور ان کے استقبال کے لیے طلبہ ریلوے اسٹیشن دیوبند تک گئے تھے۔

آپ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں دورۂ حدیث شریف میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب سے مسلم شریف، حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی سے ترمذی شریف، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب سے ابوداؤد شریف، حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب سے نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، حضرت مولانا سید حسن صاحب سے طحاوی شریف، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب سے شمائل اور موطا امام مالک، اور حضرت مولانا محمد جلیل صاحب سے موطا امام محمد پڑھی، دورۂ حدیث شریف میں بھی آپ نے تمام کتابوں میں اعلی نمبرات سے

کامیابی حاصل کی، چونکہ آپ کے ابتدائی سے لے کر دارالعلوم دیوبند تک کے تمام اساتذہ بلند پایہ اور صاحب فن تھے، تعلیم وتربیت میں یکتا تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ اور آپ کے بہت سارے ساتھی اپنے وقت کے ماہر و بلند پایہ ہوئے، انھوں نے مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دیں، چنانچہ آپ کے مشہور ساتھیوں میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری، حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمی، حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی، حضرت مولانا رشیدالدین حمیدی، حضرت مولانا صادق علی بستوی، حضرت مولانا احرار الحق صاحب بہرائچی سابق استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب بلوچستان، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب سابق شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا باقر حسین صاحب بستوی، حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب بھوپال، حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ مرکز نظام الدین صاحب دلی ان ساتھیوں میں سے بیشتر دنیا سے رخصت ہو چکے۔

حضرتؒ کو تقریر سے کافی دلچسپی تھی، اسی وجہ سے آپ دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانہ میں معروف انجمن مدنی دارالمطالعہ سے وابستہ ہوگئے، اس کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، آپ اُس کے ایک سال نائب صدر پھر اگلے سال صدر نامزد کیے گئے، دارالعلوم کے ریکارڈ اور آپ کے موجودہ ساتھیوں کے بتلانے کے مطابق آپ کا دارالعلوم میں تعلیمی دور بہت اچھا اور صاف ستھرا رہا، زمانہ طالب علمی میں دو مرتبہ اسٹرائیک ہوئی مگر کبھی کسی ہنگامے اور اسٹرائیک میں شریک نہ ہوئے، اپنے اساتذہ اور اکابر دارالعلوم کی خدمت کو ہی سعادت سمجھتے تھے، اسی وجہ سے تقریباً سبھی اساتذہ کی شفقت حاصل تھی، لیکن خاص طور سے حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا فیض علی پشاوری، حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری علیہم الرحمہ کے پاس بکثرت آمد ورفت رکھتے تھے، جن دنوں حضرت مدنی دیوبند میں قیام پذیر ہوتے تو ان کی مجلس میں بھی حاضری دیتے، اسی طرح تعلیم میں انہماک اور اساتذہ کی شفقتوں کے ساتھ آپ نے اپنا تعلیمی سفر مکمل کیا، اور شعبان میں گھر چلے گئے۔ (جاری)

ضروری اعلان

ندائے شاہی سے متعلق دفتری اوقات میں صرف درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں:

09410865194

دفتری اَوقات: صبح 8 تا 12 ـــ شام: 2-30 بجے تا 4-30 بجے

کتاب المسائل:

مفتی محمد سلمان منصورپوری

طلاق کو کسی بات پر معلق کرنے کے مسائل

کسی امر محال پر طلاق کو معلق کرنا

اگر کسی امر محال پر طلاق کو معلق کیا، مثلاً کہا کہ اگر اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو، تو تجھے طلاق، تو یہ طلاق باطل ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

ولو قال إن دخل الجمل في سم الخياط فأنت طالق لا يقع الطلاق؛ لأن غرضه تحقيق النفي حيث علّقه بأمر محال. (الفتاویٰ الهندية ۱/۴۲۱ زكريا، الدر المختار مع الشامي ۳/۳۴۲ كراچی، ۴/۵۹۱ زكريا، البحر الرائق ۴/۴)

کسی امر متحقق پر طلاق کو معلق کرنا

اگر کسی واقعی اور پہلے سے متحقق امر پر طلاق کو معلق کیا، مثلاً بیوی سے کہا کہ اگر آسمان ہمارے اوپر موجود ہو تو تجھے طلاق، تو اس سے فوراً طلاق واقع ہوجائے گی۔

ولا متحققًا كإن كان السماء فوقنا ولا محالة؛ لأن الشرط للحمل والمنع وكل منهما لا يتصور فيهما. (الدر المختار مع الشامي ۴/۵۹۱ زكريا، البحر الرائق / باب التعليق ۴/۲ كراچی، الفتاویٰ الهندية ۱/۴۲۱ زكريا)

کسی امر محتمل پر طلاق کو معلق کرنا

اگر کسی ایسے معاملہ پر طلاق کو معلق کیا جس کے واقع ہونے یا نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے، تو یہ تعلیق منعقد ہوگی، مثلاً بیوی سے کہا کہ ''اگر تو نے فلاں سے بات کی تو تجھے طلاق''، تو اگر شرط پائی جائے گی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ واقع نہ ہوگی۔

وشرط صحته كون الشروط معدوماً على خطر الوجود أي متردداً بين أن يكون وأن لا يكون لا مستحيلاً كإن دخل الجمل في سم الخياط. (الدر المختار مع الشامي

٥٩١/٤ زكريا، البحر الرائق / باب التعليق ٢/٤ كراچی، الفتاویٰ الهندية ٤٢١/١ زكريا)

کہا: ''اگر تو فلاں کے گھر گئی تو تجھے طلاق''، پھر فلاں کا انتقال ہوگیا

بیوی سے کہا کہ اگر تو فلاں کے گھر گئی تو تجھے طلاق، پھر اس گھر والے کا انتقال ہوگیا تو اس کے انتقال کے بعد اس گھر میں داخل ہونے سے طلاق واقع نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ اب وہ گھر فلاں کی ملک نہیں رہا؛ بلکہ میراث بن کر وارثین کی ملکیت میں آگیا (لہٰذا شرط متحقق نہیں ہوئی)

رجل قال لامرأته إن دخلت دار فلان فأنت طالق، فمات فلان فصارت الدار ميراثا فدخلت لا يحنث وعليه الفتوىٰ. (الفتاویٰ الهندية، الطلاق بالشرط / الفصل الثالث في تعليق الطلاق ٤٣٤/١ زكريا)

بیوی سے کہا کہ اگر تیرے ساتھ رہتے ہوئے میں نے تجھ سے صحبت کی تو تجھے تین طلاق؟

بیوی سے کہا کہ ''اگر تیرے ساتھ رہتے ہوئے میں نے تجھ سے صحبت کی تو تجھے تین طلاق''، تو صحبت پائے جاتے ہی حسب شرط طلاق واقع ہوجائے گی؛ لیکن تین طلاق سے بچنے کی یہ تدبیر ممکن ہے کہ اس بیوی کو ایک طلاقِ بائن دے کر دوبارہ اس سے نکاح کرلے، اس کے بعد ہم بستری کرنے سے کوئی طلاق نہیں پڑے گی؛ (اس لئے کہ طلاقِ بائن کے وقوع کی وجہ سے تیرے ساتھ رہتے ہوئے کی شرط متحقق نہیں ہوئی)

رجل قال لامرأته إن وطئتكِ ما دمتِ معي فأنت طالق ثلاثاً ثم أراد الحيلة، قال محمدؒ: يطلقها بائنة ثم يتزوجها من ساعته فيطؤها لا يحنث، كذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع الطلاق بالشرط / الفصل الثالث تعليق الطلاق ٤٣١/١ زكريا، فتاویٰ قاضي خان، كتاب الطلاق / باب التعليق ٤٧٧/١)

کہا کہ: ''اگر تو نے نماز چھوڑ دی تو تجھے طلاق'' پھر قضاء پڑھ لی؟

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے نماز چھوڑی، تو تجھے طلاق، پھر اس نے نماز چھوڑ دی؛ لیکن بعد میں اسے قضا کرلیا، تو اس کی بیوی پر طلاق ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے

فرمایا کہ اِس سے طلاق واقع نہیں ہوگی؛ لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی؛ اس لئے کہ نماز چھوڑنے کا مطلب وقت پر نہ پڑھنا ہے، جس کا تحقق ہوچکا، بعد میں قضا کرنے سے شرط کی نفی نہ ہوگی۔

قال لامرأته: إن تركت صلاة فأنت طالق، أو قال: إن تركتُ صلاة فامرأتي طالق، فتركت صلاة وقضتها، أو ترك صلاة وقضاها، هل يقع الطلاق؟ اختلف المشايخ رحمهم اللّٰه تعالىٰ فيه، بعضهم قالوا: لا يقع الطلاق، وبه كان يفتى الشيخ الإمام سيف الدين عبد الرحيم الكرميني؛ لأن ترك الصلاة أن يتركها ولا يقضيها. وبعضهم قالوا: يقع الطلاق، وبه كان يفتى القاضي الإمام ركن الإسلام علي السغدي رحمه اللّٰه تعالىٰ، وهو الأشبه والأظهر؛ لأن ترك الصلاة أن يتركها عن وقتها. ألا ترى إلى ما ذكر محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ إذا قضى المتروكة! وقال أيضًا: من ترك صلاة يوم وليلة، وقضاها من الغد. (المحيط البرهاني، كتاب الطلاق / الفصل السابع عشر: الأيمان بالطلاق ٥/١١٠ رقم: ٥٣٢٠ المجلس العلمي)

کہا: ''اگر تونے میرے کپڑے دھوئے تو تجھے طلاق''

بیوی سے کہا کہ اگر تونے میرے کپڑے دھوئے تو تجھے طلاق، پھر اس نے کپڑے کی آستین یا صرف دامن دھودیا تو اس سے طلاق نہیں پڑے گی، اس لئے کہ کپڑے کا اطلاق کم از کم ایک کپڑے مثلاً کرتے، یا پائجامے پر ہوتا ہے اس کے کسی ایک جزء کو دھونے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال لها إن غسلت ثيابي فأنت طالق فغسلت كمه أو ذيله لا تطلق، كذا في التجنيس.

(الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع في الطلاق بالشرط / الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة إن وإذا ١/٤٣١ زكريا)

کہا: ''اگر میں تیرے اوپر کسی اور سے نکاح کروں تو اسے طلاق''

بیوی سے کہا کہ اگر میں تیرے اوپر کسی اور سے نکاح کروں تو اسے طلاق، پھر زوجہ اول کو طلاقِ بائن دے کر اس کی عدت میں دوسری سے نکاح کرلیا تو اس دوسری پر کوئی طلاق نہیں پڑے گی۔

ولو قال إن تزوجت عليك فالتي أتزوج طالق، فطلق امرأته طلاقاً بائناً ثم تزوج امرأة أخرى في عدتها لا تطلق. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع في الطلاق بالشرط / الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة إن وإذا ١/٤٣٦ زكريا)